جلد 20 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2018ء صفر المظفر 1440ھ

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیت

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042





شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com



پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

# اس شمارے میں

# توحیدی مصلحین کے لیے اِصلاح کار کا طریقہ

**(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)**

برادران سلسلہ! آپ کو اصلاح کا کام کرنا ہے اس لیے اپنے حلقہ کی تعلیم کے مطابق غصہ بالکل نفی کر دو۔ قلب میں پاس انفاس کے ذریعہ روحانی طاقت کو بڑھاؤ پھر دیکھو کہ تم کتنی جلدی کامیاب ہوتے ہو۔

اصلاح کرنے والوں میں ایک اور صفت ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ہے ''زبان پر قابو'' زبان کے دو کام ہیں کھانا اور بولنا۔ کھاتے وقت زبان پر قابو یہ ہے کہ حرام چیز نہ کھاؤ۔ اس سے تمہارا قلب مسخ اور تمہاری روحانی طاقت ختم ہو جائے گی۔ زبان کا دوسرا کام بولنا ہے اور یہی بولنا اصلاح کے لیے گفتگو کرتے وقت ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ ''اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور حسین الفاظ میں نصیحت کر کے بلاؤ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تم اصلاح کرنا چاہتے ہو اس کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے ہرگز برا بھلا نہ کہو۔ مثلاً کوئی شرابی شراب پیے ہوئے تمہارے پاس آئے وہ نشے میں ہو تو یوں مت کہو کہ ملعون، مردود، فاسق، فاجر شراب پیتا ہے۔ چھوڑ اس بد عادت کو۔ تو دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ ایسا کہنے سے وہ بہت برا مانے گا اور آئندہ تم سے کبھی بات بھی نہ کرے گا پھر تم اس کی اصلاح کس طرح کر سکو گے اس لیے ایسے موقع پر اس طرح برداشت کرو جیسے کہ کوئی بات ہی نہیں۔ اس سے محبت و شفقت سے پیش آؤ اور کوشش کرو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے اور بار بار تمہارے پاس آنے لگے پھر کسی دن جب اس کے ساتھ اور آدمی بھی موجود ہوں اور تمہاری روحانی کیفیت بھی اچھی ہو تو اس کی طرف مخاطب بھی مت ہو۔ ایسے بن جاؤ کہ گویا تم جانتے ہی نہیں کہ وہ شراب پیتا ہے پھر دوسرے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر شراب کی برائیاں بیان کرو اور اللہ و رسول کا حکم شراب کی حرمت کے متعلق لوگوں کو سناؤ۔ اس ان ڈائریکٹ تقریر اور نصیحت کا اثر اس پر یقیناً اور شرطیہ ہوگا

اوراگر پہلی ہی مرتبہ نہیں تو کم از کم دو چار مرتبہ تمہاری نصیحت سننے کے بعد شراب سے توبہ کرلے گا۔

اصلاح کے لیے کبھی کسی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔اس کا ہر عیب اور ہر زیادتی برداشت کرو۔بحث ہرگز ہرگز کبھی نہ کرو بحث سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ یوں دلوں میں کدورت آجاتی ہے۔اگر کوئی شخص بحث کرنے پر بہت ہی مصر ہو تو 'اس سے نہایت عاجزی سے معافی مانگو اور کہہ دو کہ "ہمارے مسلک میں بحث قطعاً منع ہے۔آپ اپنے مسلک پر چلتے رہیں،ہمیں ہمارے مسلک پر چلنے دو۔آؤ باوجود ازیں ہم آپس میں دوست رہیں۔یہ سب فروعی باتیں ہیں۔اس کے لیے دلوں میں عناد کیوں پیدا کیا جائے" مگر یہ تم اسی وقت کہہ اور کرسکو گے۔جب کہ تم نے غصہ اچھی طرح نفی کردیا ہو اور قوت برداشت بدرجہ اتم پیدا ہوگئی ہو۔

ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگوں سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ظاہری اور بناوٹی محبت نہیں۔حقیقی محبت کرو جیسا کہ تم کو بتایا اور سکھایا گیا ہے۔عالمگیر محبت کو اپنا شعار بناؤ' اس لیے جس سے بھی ملو حقیقی محبت کے جذبہ سے ملو۔اگر کبھی ضرورت پڑے اور تم کو توفیق ہو تو چھوٹی موٹی کوئی خدمت لوگوں کی کردیا کرو اور دل میں یہ خواہش پیدا کرو کہ اس شخص کی اصلاح ہوجائے۔اگر تم دل سے ایسا چاہو گے تو تمہارے قلب سے جو لہریں نکلیں گی اس کے دماغ کو متاثر کیے بغیر نہ رہیں گی (جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے) وہ رفتہ رفتہ تمہاری ہر بات ماننے لگے گا اور اس کی اصلاح ہوجائے گی۔اصلاح ہمیشہ خدا کے واسطے کرنی چاہیے تمہاری اپنی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہ ہو۔

اچھا اب میں تم سب کو اللہ کے حفظ و امان میں دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ۔برادران سلسلہ! تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے آستانہ سے محبت کرو۔اس کے استحکام اور سر بلندی کے لیے کوشاں رہو۔اگر تم سب ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ ان شاء اللہ اسی آستانہ سے توحید کے آفتاب عالم تاب کی روشنی پھوٹے گی جو پاکستان کے چپہ چپہ کو توحیدی یعنی مومن اور محسن بنادے گی۔

# دنیا سے محبت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی بنائی ہوئی کوئی چیز بری ہو ہی نہیں سکتی۔ دنیا کو بھی خالق کائنات نے ایک خاص مقصد کے لئے صرف انسان کی خاطر پیدا فرمایا اور انسان کو اس سے استفادہ کرنے کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ ساری خرابی انسان کی نا سمجھی اور غلط روش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جب وہ متاع حیات کو اپنا مقصود جان کر اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس میں مادی لذات کی کشش پیدا کر رکھی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان اللہ کی عطاء کردہ تعمیر و تسخیر کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:۱۴)

**ترجمہ**: ”لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔“

دنیا کی ساری نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تا کہ انسان اللہ کے احسانات کو پہچانے اور اس کے ساتھ اور زیادہ محبت کرے۔ شکر گزاری کی روش پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے اور نعمتوں میں مزید اضافہ فرما دیتے ہیں اور اگر انسان احسان ناشناسی کر کے کفر کی راہ اختیار کرے تو اس کے لئے سخت عذاب کی وعید ہے۔

اللہ کا دین انسان کو زندگی کی مکمل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ حیات ارضی کے مختصر عرصہ کو ہی سب کچھ جان کر اسی میں کھو کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقت شناس بن کر اس تربیت گاہ کا دورانیہ اس طرح بسر کرے کہ آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکے آخرت کی فلاح متاع دنیا کو ترک کرنے سے نہیں بلکہ اسے تعمیری کاموں میں استعمال کرنے میں ہے اگر انسان کی تخلیق کا مقصد دنیا میں آئے بغیر پورا ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے ہرگز یہاں نہ بھیجتے اس لئے دنیا کو برا سمجھنا یا اس کی مذمت کرنا درست نہیں ہے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو زمین کی خلافت کے لئے بنایا ہے انسان کو دریائے حیات کے اس پار واقع اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے لئے دنیوی متاع کی اسی طرح ضرورت پڑتی ہے جس طرح کشتی کو سفر کرنے کے لئے پانی کی۔ اگر پانی ہی موجود نہ ہو تو کشتی ریت پر سفر کرنے سے تو رہی۔ البتہ یہ احتیاط ہر قدم پر لازم ہے کہ پانی کشتی کے نیچے ہی رہے اگر یہ کشتی کے اندر داخل ہو گیا تو اسے ڈوبنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح اگر مومن کے پاس مال و دولت ہی نہ ہو تو وہ زکوٰۃ، صدقات، فطرانہ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے اہم فرائض کی ادائیگی سے محروم رہ جائے گا۔ مومن دنیا کی تمام نعمتوں کو تصرف میں تو لاتا ہے لیکن ان سے محبت نہیں کرتا۔ اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک پردیسی کی مانند سمجھتے ہوئے اپنے اصلی گھر کو آباد کرنے کے لئے کوشاں اور وہاں جانے کے لئے بےتاب رہتا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان اسے خوف و حزن اور موت کے ڈر سے آزاد کر دیتا ہے۔ مومن کیلئے موت تو محنت کا صلہ اور بندگی کا انعام وصول کرنے کی گھڑی بن جاتی ہے۔ وہ موت کو ایسا پل سمجھتا ہے جس پر گزرے بغیر وہ اپنے محبوب سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ موت کے ساتھ اس طرح سے پیار کا تعلق ان مقربین بارگاہ کا ہی ہو سکتا ہے جنہیں اپنے عقیدہ و ایمان کی صداقت، عمل کی راستی اور آخرت میں اللہ کے وعدوں کے مطابق کامیابی پر یقین کامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موت کی آرزو کرنے کو ایمان کی صداقت کا نشان ٹھہراتے ہوئے جو فرمایا اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

اللہ

’’آپ ﷺ کہہ دیں کہ اے اہل یہود اگر تمہیں یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور دوسرے لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو ذرا موت کی آرزو تو کرو اور یہ ان اعمال کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔‘‘(الجمعہ:٦۔٧)

اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اللہ کے ہاں واپس جانے پر اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح کوئی پردیسی اپنے وطن واپس لوٹتا ہے۔علامہ اقبالؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسّم برلب اوست

یعنی میں تمہیں مردِ مومن کی ایک نشانی بتاتا ہوں کہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار دنیا اور آخرت کا موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان اپنی بصیرت استعمال کرے اور دنیا کے فریب میں گرفتار نہ ہو۔یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ نہ تو دنیا کی نعمتوں میں کوئی خرابی ہے اور نہ ہی ان کے استعمال کی ممانعت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی انبیاء کو دنیوی بادشاہت سے بھی نوازا تھا۔ قرآن کریم میں مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے مثال حکمرانی کا بیان بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔انبیاء علیہ السلام کے سردار اللہ کے حبیب حضور رحمۃ للعالمین ﷺ تو جو خواہش فرماتے اللہ تعالیٰ کے دربار سے مل سکتا تھا لیکن آپ ﷺ نے اللہ کی رضا اور فقر کو ہی پسند فرمایا۔آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم مملکتوں کی امارت اور سیادت عطا فرمائی۔اصل خرابی اللہ کو بھول کر دنیا کی محبت میں دیوانہ ہو جانے اور اپنی ساری صلاحیتیں اس کے حصول میں کھپا دینے میں ہے۔اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ الْخَطِیْئَۃِ (یعنی دنیا کی محبت خطاؤں کا منبع ہے)

اس لئے تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کی محبت کو جاننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب انسان کے سامنے دنیا اور آخرت کی حقیقت کھول کر رکھ دیتی ہے تا کہ انسان دنیا کو اپنی خادمہ سمجھ کر اس سے خدمت لے اور اللہ کی محبت کا طلب گار بنے نہ کہ اس خادمہ پر ہی فدا ہو کر اپنے حقیقی محبوب سے دور ہو جائے اور اس کے غضب کا سزاوار ٹھہرے۔ قرآن مجید کی چند آیات میں دنیا سے محبت کرنے اور اسے آخرت پر ترجیح دینے والوں کے انجام سے ڈرایا گیا ہے وہ یہاں درج کی جاتی ہیں:

﴿ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ یَبْغُوْنَھَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ م بَعِیْدٍ ﴾ (ابراہیم:۳)

**ترجمہ**: ”جو لوگ آخرت کی نسبت دنیا سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں۔“

﴿ فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ O ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ (النحل:۱۰۶۔۱۰۷)

**ترجمہ**: ”کافروں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور اس لئے کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی O وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا O فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴾ (النازعات:۳۷۔۳۹)

**ترجمہ**: ”جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“

﴿ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ (البقرہ:۲۱۲)

**ترجمہ :** ''جو کافر ہیں ان کے لئے دنیا کی زندگی خوش نما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں لیکن جو لوگ پرہیز گار ہیں وہ قیامت کے دن اُن پر غالب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔''

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَo اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (یونس:۷۔۸)

**ترجمہ:** ''جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور وہ دنیا کی زندگی سے خوش اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں اُن کا ٹھکانہ، اُن اعمال کے سبب جو وہ کرتے ہیں، دوزخ ہے۔''

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ہود:۱۵۔۱۶)

**ترجمہ:** ''جو لوگ دنیا کی زندگی اور اُس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم اُن کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں اُن کی حق تلفی نہیں کی جاتی یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع۔''

انسان کی بنیادی ضروریات محدود سی ہیں اور وہ بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں لیکن ہوا و ہوس خواہشات کی کوئی حد نہیں یہی وجہ ہے کہ روٹی کپڑا مکان اور دوسری ضروریات کو ہماری لامحدود ہوس نے اس قدر پھیلا دیا ہے کہ انسان کے بس سے باہر ہو کر رہ گئی ہیں۔اب تو مادہ پرستی کے غلبہ کی وجہ سے کیفیت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ انسان روٹی کھا کر زندہ رہے۔روٹی کا غم انسان کو کھا گیا ہے اسے سر چھپانے کے لئے ایک چھوٹا سا کوٹھا درکار تھا لیکن اب بڑی کوٹھی کے

لالچ نے اسے پھانسی والی کوٹھی لگا دیا ہے اسی طرح موٹر گاڑی کی سواری کا بھوت خود انسان پر سوار ہو گیا ہے۔ اسے تن ڈھانکنے کے لئے سادہ سے کپڑے کی ضرورت تھی لیکن قیمتی ملبوسات اور فیشن کی ہوس اسے ننگا کر کے تنگی کا ناچ نچا رہی ہے۔ انسانی نفس کی بے لگام خواہشات نے تعیشات کو ضروریات کا روپ دے کر بنی نوع انسان کو اس دیوانہ وار دوڑ میں لگا دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر کوئی پریشان دکھائی دیتا ہے کیوں کہ خواہشات کے مقابلے میں وسائل ہمیشہ محدود ہوتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی امت کا انداز فکر اور طرز حیات اس طرح کا نہیں ہے۔

ا مسلم شریف میں حضرت ابوعبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاصؓ سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ کیا ہم مہاجر لوگ فقرا میں سے نہیں ہیں ؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی نہیں ہے جس کے پاس تم ٹھکانہ کرتے ہو؟ کہا ہاں! پھر فرمایا کیا تمہارے پاس رہائشی مکان ہے؟ عرض کیا موجود ہے۔ فرمایا پھر تو تمہارا شمار دولت مندوں میں ہوتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس خادم بھی ہیں۔ فرمایا پھر تو تمہارا شمار بادشاہوں میں ہے۔

حضورﷺ کی اپنی زندگی جو اللہ سے محبت کرنے والوں کے لئے کامل نمونہ ہے دنیوی آرائش وزیبائش سے یکسر خالی ،فقر و فاقہ میں بسر ہوئی تھی آپﷺ کی ازواج مطہرات بھی فیضان نبوت کے زیر اثر تسلیم و رضا میں ممتاز ہو چکی تھیں۔لیکن جب اسلامی فتوحات بڑھنے کی وجہ سے مال غنیمت میں اضافہ ہونے لگا تو ان پاک دامن ہستیوں کے دل میں بھی اپنی حالت کی بہتری کیلئے تحریک ہوئی۔جب ان مجسم وفا ہستیوں نے اپنی جائز خواہش کا اظہار فرمایا تو یہ بات حضورﷺ کے اطمینان خاطر میں اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ تمام ازواج مطہرات سے علیحدہ ہو کر ایک ماہ کے لئے حجرہ نشین ہو گئے آخر کار اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ تمہیں دنیا اور آخرت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا O وَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (الاحزاب:۲۸)

**ترجمہ**: ''اے پیغمبرﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت و آرائش کے خواست گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ رسول اور آخرت کے طلب گار ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں اُن کے لئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ہم لوگ جو نفس کے بہانوں میں آ کر اور ابلیس کی ملمع کاری سے فریب کھا کر دنیا کی لذات کے پیچھے دیوانے ہو جاتے ہیں اور مادی نعمتوں کا پیچھا کرنے کے لئے جواز تلاش کرتے پھرتے ہیں اور فکرِ آخرت سے آزاد ہو جانے کے لئے اپنے مطلب کی تفسیریں لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ ایک معصوم سی خواہش کرنے پر حضور سرورِ کائناتﷺ کے شرفِ زوجیت سے محرومی کا خطرہ پیدا ہو گیا آخر ان زہد و تقویٰ کی مجسم تصویروں اور اللہ کی پُرخلوص بندیوں نے اپنے مطالبے سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولﷺ کو لیتی ہیں۔

جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور یہ غلط گمان رکھتے ہیں کہ کائنات خود بخود ہی وجود میں آ گئی اور ہم اپنے اعمال کے لئے کسی ہستی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ ایسے بے دین یعنی آزاد روش اور من مانی کرنے والوں کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں مادی دنیا کی لذات کے حصول میں صرف ہو جاتی ہیں ایسے لوگ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو ان کی جو حالت زار اس وقت ہو گی اس کا نقشہ بھی قرآن نے بڑی خوبی کے ساتھ کھینچ دیا ہے تا کہ کفار کے ساتھ ساتھ ان مسلمانوں کو بھی عبرت حاصل ہو جو زبان سے تو ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں

لیکن عملی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات کو نظر انداز کر کے اور ان کی محبت کو ترک کر کے دنیا کے کاموں میں ہی غرق ہو کر رہ گئے ہیں۔

■

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے خسارے میں ہیں۔وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے ان کی سزا جہنم ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں کی ہنسی اڑائی۔''

﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴾ (الاحقاف:۲۰)

**ترجمہ**: ''اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے تو کہا جائے گا کہ تم لذتیں دنیا کی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے یہ اس کی سزا ہے کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بد کرداری کرتے تھے۔''

# نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

باباجانؒ فرمانے لگے کہ صبح منیر لودھی صاحب کا فون آیا، میں ناشتہ کر رہا تھا۔ روتے چلے جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ خیر ہے کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کل اسلام آباد میں اپنے ادارے کا افتتاح کیا۔ یہاں اپنی یونیورسٹی کی برانچ بنا رہے ہیں۔ کل ٹی وی پر خبریں لگائیں تو آگے وہ ڈاکٹر قدیر خاں آ رہا تھا۔ ان کی صدارت میں افتتاح ہو رہا تھا۔ یہ بچہ یہاں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے دکھایا۔ منیر لودھی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ فون پر وہ اسے یاد کر کے رو رہے تھے کہ مجھے صحیح مردِ مومن ملا ہے۔ صحیح ولی کامل سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا ہے تمہیں مل گیا ہے، وہ صحیح بندہ ہے ڈاکٹر قدیر خان۔ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اس نے تمہیں ایٹم بم بنا دیا، تم نے اسے جیل ڈال دیا۔ انڈیا کو عبدالسلام نے بنا دیا، وہ پہلے پاکستان سے ہو کر گیا تھا۔ ڈیڑھ سال یہاں پھرتا رہا، کسی نے پوچھا نہیں۔ اس نے انڈیا کو جا کر بنا دیا۔ انہوں نے اسے President بنا دیا۔ اس کے خلاف الزامات لگا کر پرویز مشرف نے معافیاں منگوائیں۔ پرویز مشرف نے کہا تھا کہ دیکھو اس نے پیسے کے لالچ میں یہ کیا ہے۔

وہ (منیر احمد لودھی صاحب) کہتے ہیں کہ میں اس (قدیر خان) سے کل سے ملا ہوں تو میری اب تک یہ حالت ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہو جائے گی، کوئی بات نہیں۔ وہ بندہ بھی دُکھی ہے بے چارہ۔ یہ تو صحیح بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ جیسے باباجیؒ کہتے تھے کہ اقبال جو ہے یہ اللہ کا تحفہ ہے انڈین مسلمانوں کے لئے۔ یہ بھی جو ہے یہ اللہ کا تحفہ ہے۔ ایسے لوگ اللہ میاں عطا کر دیتا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ نے بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ نہ اُس کے ساتھ کیا ہے

اور نہ اِس کے ساتھ کیا ہے۔اقبالؒ کو بھی تحفہ ملا تھا نواب کوپال سے۔حیدر آباد دکن سے بھیجا تو اس نے واپس کر دیا۔اس نے کہا کہ میں تو خدا سے بھی نہیں لیتا کہ یہ میری خدائی کی زکوٰۃ ہے، اسے رکھو۔آپ نے بھی ان (قدیر خان) سے ایسے ہی کیا ہے۔

یہ جو اچھے لوگ ہیں، یہ اللہ میاں کے خاص لوگ ہی تھے، جب اللہ میاں کسی قوم کو آگے کرنا چاہتا ہے تو اس کو دے دیتا ہے۔اب وہ ثمر مبارک کب سے لگا ہے۔گھوڑے پر بھاگا پھر رہا تھا پاور پلانٹس پر کہ بجلی پیدا کرنی ہے، بڑی Latest تکنیک آ گئی ہے۔اس نے بڑی خوش آئند قسم کی تجاویز دی تھیں، مگر بند کر دیں اس کی سب باتیں۔پراجیکٹ موجود ہے مگر اس کو پیسے نہیں دے رہے۔آگے دوسرے ٹکر جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ نہ کرو، اس طرح ٹھیک ہے، بھوکے مرو۔ بجلی نہ ہو، یا جو ایسے پروجیکٹ ہوتے ہیں، وہ نہ ہوں۔

ایک بھائی نے دوسرے ایٹمی سائنسدان کا نام لے کر کہا کہ وہ کہتا ہے کہ عبدالقدیر خان نے کچھ نہیں کیا، یہ سارا ڈراما ہے۔عبدالقدیر خان کہتا ہے کہ وہ نا لائق ہے۔ان کی آپس میں بات ہی نہیں ملتی۔پتا نہیں کون ٹھیک ہے؟ نہیں نہیں۔ایک بندہ تو نہیں بناتا۔بنایا تو سب نے مل کے ہے۔اس نے بھی بڑا کام کیا ہے۔بڑے کام تھے کرنے والے۔ایٹم بم بنانا ایک بندے کا کام تو نہیں ہے۔کہتے ہیں کہ Weapon create کرنے پر لانا ان کا کام تھا۔انہوں نے High speed centrifuge بنائے۔بڑی High speed پر اسے چلانا پڑتا ہے۔ بڑی ٹیم ہوتی ہے، سب مل کر کام کرتے ہیں۔

بھائی نے کہا کہ Atomic reactor کے ماہر یہ بشیر الدین محمود ہی تھے۔باباجانؒ نے فرمایا کہ اس نے وہ چشمہ والا پروجیکٹ کہتا ہے کہ میں نے ہی کیا ہے۔مجھے انہوں نے باہر نکالا۔میں نے اللہ کے رحم و کرم سے پاکستان انڈسٹری کا سارا جائزہ لیا کہ یہاں تو بہت کچھ بن سکتا ہے۔ہمارے پاس بڑے Potentials ہیں اگر ہم انہیں استعمال کریں۔کوئی بھی فیکٹری ہوا سے سائیڈ پر ڈیزائن کیا جاتا ہے۔جہازوں کی بھی جو فیکٹری ہوا سے سائیڈ پر ڈیزائن کیا جاتا ہے

انجن جو ہے یہ کسی فیکٹری سے لیں گے کہ اس پاور کا ہمیں انجن چاہئے ۔Generators اور Starters جو ہیں یہ سب مشہور کمپنیاں بناتی ہیں ۔ٹائر جو ہیں یہ Dunlopوالے بناتے ہیں پیراشوٹ Injection sheet کی Mark and Baker مشہور ہے Worldwide ان کی سب جہازوں کو لگی ہیں ۔آگے چلتا ہے تو یہ سیٹ جو ہیں یہ بھی Mark & Baker والے بناتے ہیں ۔ان کے جو اپنے F-16 تھے، ان میں وہ اپنی ہی سیٹ لگاتے تھے ۔وہ ناکام تھیں ۔ان سے کہا کہ یہ Mark & Bakerوالی کرادیں تو فیل ہو گئے ۔ان کے بعد جو اپنے بنائے ان میں وہ Mark & Baker کی لگائیں ۔ظاہر ہے کہ یہ سب Expertise سے ہوتا ہے ۔سارا کچھ اسی طرح چلتا ہے ۔وہ سارا سائیٹ پر Feed ہوتا ہے ۔ہر فیلڈ میں لوگ اپنا کام کرتے ہیں ۔Radiatorوالے جو ہیں انہوں نے Radiator ہی بنانے ہیں ۔انہوں نے یہی بنانے ہیں ۔یہ تمہیں بنادیں گے ۔یہ باقی سب اسی طرح چلتا ہے ۔

وہ سارے کام Site پر کرتے ہیں ۔یہ سیٹیں لگائی ہیں جہاز کی تو یہ جو سیٹیں بنانے والا ہے وہ تمہیں سیٹیں لگا دے گا ۔سب سے پہلے Chassis آتی ہے ۔آگے انجن اور پیچھے ڈنڈا لگا ہوتا ہے ۔اب اس نے آگے چلنا ہے تو بس بنانی ہے تو بس بنالو ۔ٹرک بنانا ہے تو ٹرک بنالو ۔یہ ان کو دے دیں تو یہ آپ کو بنادیتے ہیں کہ اتنا پیسہ لگے گا ۔وہ ڈیزائن کرتے ہیں ۔

Air Force جو ہے اس میں بھی ایسے ہی گورنمنٹ جب مانگتی ہے کہ ہمیں ۲۰۲۰ء کے بعد ایسا جہاز چاہئے ،ہم نے اس لئے بنانا ہے ۔اتنی Speed ہو ۔اتنے بم، اتنے راکٹ، اتنا سامان Carry کر کے اتنی Speed سے جا سکے ۔وہ اپنی Requirement دے رہے ہیں ۔مختلف کمپنیز آگے جن کے جہاز بنے ہوئے ہیں، وہ Proto-type جہاز بناتی ہیں ۔Proto-type مطلب کہ Single بنے گا ۔ایک ہی ہے ۔اس کے سانچے اور ڈھانچے نہیں بنیں گے ۔صرف ایک بنتا ہے جو مشینوں پر رگڑ رگڑ کر اس کو بنا دیں گے ۔انجن کس پاور کا فٹ کریں گے کہ اس پاور کا انجن ٹھیک ہے، وہ لگا دیں گے ۔باقی جو بھی ہے، ان کو ایئر فورس نے اپنی

Instruction دی ہے، اس کے مطابق وہ لگا دیں گے لیکن یہ ایک ہی جہاز بنے گا۔ ان کے پاس Research and development ہر فیکٹری کی اپنی ہوتی ہے۔ انہوں نے آگے لوگ لگا رکھے ہوتے ہیں۔ ہر چیز ریسرچ کر کے وہ بنا کے دیتے ہیں۔ وہ انجن والے انجن بنا کے دے دیں گے کہ اتنی پاور کا ہو۔ اس کے نئے ڈیزائن جو ہیں کہ اتنی Hight پہ جا سکے، یہ سب کچھ۔ وہ ساری Companies اپنا اپنا جہاز بنائیں گی۔ اب وہ ایئر فورس کو دے دیں گے کہ یہ بن گیا ہے جہاز۔ اسے ٹیسٹ کر لیں۔ اب وہ ہر ایک کے جہاز کو ٹیسٹ کریں گے۔ جو ان کے Instructor نے Approve کر لیا وہ تو سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بناتے ہیں کہ یہ جہاز Approve ہو گیا ہے۔ وہ سینکڑوں جہازوں کا آرڈر دے دیتے ہیں۔ اس جہاز اور اس کمپنی کی مشہوری ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ Research and development پہ جو کروڑوں روپے لگاتے ہیں وہ آجاتے ہیں۔ دوسرے جہاز ان میں سے اگر کوئی اچھا ہے تو وہ کمپنی بنالے گی کہ چلو یہ باہر بھیج دیں گے۔ اپنے جہاز جن کی منظوری ہوئی ہے وہ کسی کو نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ جو جہاز ہوں گے وہ ایکسپورٹ کرنے کے لئے ہوں گے، یہ بھی گورنمنٹ کی منظوری سے ہوگی۔ وہ اپنا جہاز جو ہے وہ کسی کو نہیں دیں گے۔ جیسے F-16 جو تھا، وہ بہت کم ملکوں کو دیا تھا۔ ایسے وہ جہاز بنائے جاتے ہیں۔

ایسا نہیں ہوتا کہ فیکٹری سارا کچھ خود بنائے۔ ان میں ہر چیز جو ہے Specific equipment بنانے والی Feeder industry جو ہے وہ ہوتی ہے۔ اب گاڑی بنانی ہے پاکستان میں تو یہ کیوں نہیں بن رہی۔ اس لئے کہ اس کو پہلے وہ Develop کرنی پڑے گی۔ کوئی بندہ جس نے گاڑی بنانی ہے وہ آگے Fitting والے بندے لگاتا ہے۔ وہ Chassis اور وہ انجن صحیح ہونا چاہیے۔ کوئی انجن والی کمپنی ہو جو اس خاص ورائٹی کا انجن بنائے، اور آگے بناتی رہے۔ آگے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ جس نے باڈی بنانی ہے کہ آگے ٹرک ہے تو وہ آپ کو بنا دیں گے

آگے گورنمنٹ کی پالیسی Long range ہو کہ یہ کیسے بنانا ہے، تو یہ چلے۔ ایک دفعہ یہ Nissan جیپ بنا رہے تھے کہ یہ پاکستان کے سارے علاقوں میں کامیابی سے چلی ہے پتا نہیں پھر اس کا کیا ہوا چل رہی ہے کہ نہیں چل رہی لیکن اس کا سب کچھ پاکستان میں ہی بنا تھا۔ باہر سے کچھ نہیں لیا تھا۔ ادھر لاہور سے ہی انہوں نے سارے Industrialists اکٹھے کئے اور کہا کہ ہم نے یہ بنانا ہے۔ آپ بتائیں کہ اس میں کیا کرنا ہے۔ بنا دیا انہوں نے سب کچھ۔ لاہور میں وہ غلام حسین پسٹن والے۔ ان کا نام ہی یہ تھا، وہ پسٹن والے تھے۔ وہ پسٹن بناتے تھے جس سائز کا بھی چاہیے۔ پہلے انہوں نے ریلوے کے بنائے، اس کے ماہر تھے۔ ایسے ہی وہ سارے جو تھے اس کا انجن انہوں نے بنا دیا۔

ادھر کراچی میں ایک ہمارا شاگرد تھا، وہ مٹی کے تیل والے لیمپ بناتے تھے۔ ان کی شیشے کی کمپنی ہے۔ وہ اس میں بڑے ماہر تھے۔ وہ بڑا اچھا اور Intellegent لڑکا تھا۔ اس کا دادا اس سے بڑا پیار کرتا تھا۔ اس نے اپنے دادا کو میرے بارے میں لکھا کہ میرے بڑے اچھے استاد ہیں، مجھ سے بڑا پیار کرتے ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے دادا جی ہیں ان سے مل کر آنا وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں چھٹی پر آیا تھا تو چلا گیا۔ بابا جیؒ حیات تھے۔ بابا جیؒ علی صاحب کی جو فرم تھی Modern comforts الفلاح بلڈنگ، میرا خیال ہے ابھی ادھر آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ بابا جیؒ دن کو ادھر ہی دُکان پر آ جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں کیا وہاں اکیلا بیٹھا رہوں گلبرگ میں وہاں نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے۔ سویرے علی صاحبؒ انہیں ساتھ بٹھا کر لے آتے تھے۔ باہر کرسی ڈال دیتے تھے اور وہ وہاں بیٹھ جاتے تھے۔ میرے شاگرد نے کہا کہ میرا بھائی وہاں سے آ کر آپ کو لے جائے گا تو آپ وہاں چلے جایئے گا۔ وہ مجھے لے گئے۔ ان کا دادا ملا، بڑا خوش ہوا اور کہتا ہے کہ میرا پوتا آپ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ دوسرے کمرے میں ان کی رہائش تھی اور اوپر فیکٹری تھی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ لیمپ ہم بناتے ہیں۔ یہ ڈبے لے کر پالش کر کے ان سے ہی بناتے ہیں۔ ڈائیاں رکھی ہیں۔ شیشہ کی چمنی کاٹ کے بن جاتی ہے۔

نیچے ڈبہ بنا ہوا ہے، اس میں ریت بھر کے اس کا Weight کر لیتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جیپ میں Carbonator کے ساتھ جو Air filter ہوتے تھے، آرمی والوں نے جیپ بنانے کے لئے بلایا تو ہم نے کہا کہ یہ ہم آپ کو بنا دیں گے۔ یہ Air filter انہوں نے بنایا۔ انہوں نے مجھے ایک Filter دکھایا جوان کے پاس رکھا ہوا تھا اور بتایا کہ یہ امریکہ کا بنا ہوا ہے۔ دوسرا انہوں نے دکھایا کہ یہ ہمارا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر بتا دیں اگر اس کی شکل میں یا اس کی کوالٹی میں کوئی فرق ہے۔ یہ Rough ہے یا اس کی بناوٹ میں کوئی گڑبڑ ہے۔ حالانکہ ان کا کام مختلف تھا۔ انہوں نے لیمپ بھی دیے اور یہ بھی کر کے دیا۔ انہوں نے رات مجھے اپنے پاس رکھا۔ دال چاول کھلائے۔ صبح سبز چائے اور ساتھ وہ کُلچے دیے اور کہا کہ ہم بھی کشمیری ہیں۔ ہم تو اب برائے نام ہی کشمیری رہ گئے ہیں، وہ قریب کے کشمیری تھے۔ انہوں نے ہمیں مصر کی دال رات کو چاول کے ساتھ دیے، پوچھا کہ آپ بھی یہ رات کو کھاتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جی رات کو چاول ہی کھائے جاتے ہیں۔ مصر کی دال کے ساتھ گوشت وہاں کھایا تھا۔ ہمارے ہاں یہاں گوشت اور ماش کی دال کا بڑا Combination تھا۔ ویسے ہی پکا لیتے تھے۔ دال چاول کے لئے نہیں۔ انہوں نے مصر کی دال ڈلوائی۔ مصر کی دال ویسے ہی بڑی زبردست ہوتی ہے، گوشت میں ڈال کر اور بھی زبردست ہو گئی۔ ہم نے یہاں ان (اہل خانہ) کو یہ نسخہ بتایا اور یہاں یہ فرمائش پر چل رہی ہے۔ مصر کی دال ویسے پکی ہو تو خالد صاحب بھی صبح کہتے ہیں کہ امی چاول ہیں؟ انہوں نے سویرے کھانے ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ آرمی کا یہ کام ہم کرتے ہیں۔ وہ جوان پڑھ مستری ہیں، وہ یہ کام خوب کر لیتے ہیں۔ صدر ایوب خان جو ہے وہ ایسے خطاب کرتا تھا کہ میرے عزیز ہم وطنو! میرے بیٹھے ہوئے ہی وہاں آرمی کا ایک میجر آیا۔ ایسے ہی اس سے بات شروع ہو گئی۔ اس نے کہا کہ گوجرانوالہ ایسا شہر ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ دنیا کا کوئی آئیٹم وہاں لے جائیں، ان کو بتا دیں کہ ہمیں اتنا یہ چاہئے۔ وہ نہ آپ سے اس کی ڈرائنگ مانگیں گے، نہ اس کی Specification

مانگیں گے، کوئی چیز نہیں مانگیں گے۔ان کو دکھا دیں کہ یہ پرزہ ہے، یہ چاہئے، تو وہ آپ کو بنا دیں گے وہ آپ سے کوئی Specification یا ڈرائنگ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ وہ سیدھی سی وہ چیز بنا کر آپ کو دے دیں گے۔ وہ میجر کہتا ہے کہ یہ قوم بڑی زبردست ہے۔ اب یہ افواہیں بڑی بناتی ہے کہ وہ بوڑھا ہے، اسے فالج ہو گیا، مرا اور اب گیا، یہ گیا۔ یہ بڑی ماہر ہے اب افواہیں بنانے میں۔ اگر یہ کسی Technical line پر چل پڑی تو یہ وہاں بھی کمال کرے گی۔

وہ (ایوب خان) بڑا اچھا تھا۔ ہماری قوم قدر نہیں کرتی۔ اب بھی ٹرکوں کے پیچھے اس کی تصویر لگی ہوتی ہے اور لکھا ہوتا ہے کہ تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد۔ بڑا اچھا تھا، اس نے بڑا کام کیا۔ یہ سارے ڈیم اس کے زمانے میں بنے۔ سارے یہ گندم کے بیج تک اس کے زمانے میں تیار ہونے لگے۔ ڈھیر لگ گئے گندم کے۔ یہ اسی کے زمانے میں ہوا۔ اس کے دور میں فوجیں بھی دنیا میں اچھی مانی گئیں۔ امریکہ کے پاس ٹھیک ہے طاقت ہے، ایٹم ہے مگر ۶۵ء کی جنگ میں ہم نے انڈیا کا بھرکس نکال کر رکھ دیا۔ وہ جوان بھی تگڑا تھا۔ شیر جوان۔ ان دنوں بی ڈی کے تحت الیکشن ہوئے۔ یہ جو بی ڈی ممبر ہوتے ہیں یہ بی ڈی ممبر پھر صدر کا انتخاب کرتے تھے۔ Indirect الیکشن تھا۔ وہ بی ڈی کھڑا کرتے اور یہ بی ڈی والے اس کو منتخب کرتے۔ پتا نہیں ساٹھ ہزار یا باسٹھ ہزار بی ڈی ممبر تھا۔ وہ آگے صدر تک خود منتخب کرتے۔ آپ کا کام صرف یہ تھا کہ آپ بی ڈی ممبر تک کوئی اچھا بندہ منتخب کریں۔ یہ جب پہلی دفعہ ہوئے تو بڑے لوگ مخالف تھے۔ فاطمہ جناح کو سب نے اس کے خلاف کھڑا کیا کہ چلو ماں ہے یہ قوم کی تو لوگ کچھ تو عزت کریں گے۔ ماں کو مروانے لگے تھے۔ ماں کو کھڑا کر دیا۔ وہ قائداعظم کی بہن تھیں، سارے بڑی عزت کرتے تھے لیکن انہوں نے سیاسی طور پر اسے کھڑا کیا کہ شاید اس کا کوئی Advantage ہو گا۔ لیکن وہ بے چاری اس قابل تو نہیں تھی۔ باباجیؒ بھی بڑے خلاف تھے اس فاطمہ جناح کے کہ اس کو کیا پتا ہے؟ سالی کو۔ باباجیؒ کہتے کہ اس کو کہو کہ آیت الکرسی سنا دے۔ اگر وہ سُنا دے تو سارے ووٹ دے دو اس کو۔ اس کو پتا ہی نہیں نہ دین کا نہ دنیا کا۔

لاہور میں ان کا جلسہ تھا۔ یہاں ڈائریکٹ خطاب کرنا تھا فاطمہ جناح نے بھی اور ایوب خان نے بھی۔ وہاں لاہور یہ سارے بی ڈی ممبر گئے ہوئے تھے۔ جلسہ تھا۔ میں یہاں گھر تھا یا لاہور کہیں بس میں بیٹھے تھے۔ ایک ممبر تھا کوئی حافظ آباد کا۔ اس نے تُرے والی پگ باندھی ہوئی۔ جھنڈے کوئی اِدھر اور کوئی اُدھر کہ پتا چلے۔ کسی نے چھیڑ دیا ساتھ بیٹھے ہی۔ چوہدری صاحب کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ او جی ہم بی ڈی ممبر ہیں، لاہور گئے تھے، صدر ایوب نے بلایا تھا۔ وہاں جلسہ تھا۔ مائی بوڑھی فاطمہ نے کوئی تقریر شکریری کی۔ خدا جانتا ہے کوئی حرف نہیں پلے پڑا، اس نے کیا کہا ہے۔ پھر ایوب آیا۔ سوہنا جوان ہے بڑا۔ بلے ماں کے تیرے۔ ایک شیر جوان ہے۔ اس نے کہا کہ یہ بتی لال خطرے کا نشان یہ فاطمہ کی بتی ہے۔ یہ سبز جھنڈا ہے، یہ میرا ہے یہ مسلم لیگ کا نشان ہے، تم کس کو ووٹ دو گے؟ کہتا ہے کہ پہلے تو ہمارا خیال ہی تھا کہ یہ مائی کو ووٹ دیں کہ قائداعظم کی بہن ہے۔ مگر وہاں جا کر اپنا دل نہیں مانا۔ یہ بوڑھی ہے، اس کی قبر میں ٹانگیں ہیں، اس نے کل مر جانا ہے۔ اور وہ واقعی مر گئی۔ اس نے کہا کہ یہ بوڑھی ہے قبر میں ٹانگیں ہیں ، اس نے کل مر جانا ہے، پھر ہم اور ڈھونڈتے پھریں گے۔ یہ چلی اور وہ چلی، وہاں جا کے اپنا موڈ بدل گیا۔ لوگوں نے بڑا کہا مگر اس نے کہا کہ ناں جی ناں۔ بات ہی کوئی نہیں۔ سوہنا جوان دیکھ کے دل خوش ہوا ہے۔

اس کا رنگ واقعی ایسا تھا جیسے گلاب ہوتا ہے۔ ہم ڈیوٹی کرتے رہتے تھے۔ VIP جہاز پر کافی دفعہ ڈیوٹی کی ہے۔ بھٹو نیا نیا آیا، وہاں چکلالہ تھا تو اس نے جو سوٹ پہنا تھا، وہ باہر سے بھیجا گیا تھا۔ ہمارے سوٹ وغیرہ سب تیار ہوتے تھے۔ صدر کا بھی ایک دفعہ پروگرام بنا تو ہم وہاں تھے۔ بتایا جاتا تھا کہ یہاں تک کارپٹ بچھا ہے تو جہاز کو یہاں آنا چاہیے۔ اس سے آگے پیچھے نہ ہو۔ ان کا Arrangement ہوتا ہے۔ وہاں ماسٹری کرنی پڑتی ہے۔ جہاز کو اشارہ دینا پڑتا ہے، چلنا اور Move کرنا۔ ہمارا ایک ماسٹر پلان ہوتا تھا۔ اس نے وہاں جانا تھا۔ کوئی فنکشن تھا شاید۔ پٹھان بابے آئے ہوئے تھے سارے۔ چادریں کندھے پر رکھیں۔ وہ وہاں آیا تو

اسے ہم نے Receive کیا۔وہ سب سے پشتو بولے اور ساتھ تھپکی دے خانوں کو، یہ بڑا اچھا رہا۔

جب جنگ چھڑ گئی ۶۵ء کی تو باباجیؒ نے کہا کہ اب بتاؤ۔ جب ایوب نے کلمہ پڑھتے ہوئے تقریر کی ریڈیو پر کہ دشمن کو پتا نہیں ہے اس نے کس قوم کو للکارا ہے تو باباجیؒ نے کلمہ پڑھتے ہوئے نعرہ مارا۔ لا الہ الا اللہ۔ باباجیؒ نے کہا کہ ساری قوم کو اس نے توجہ دے کر ہپناٹائز کر دیا، ساری قوم کھڑی ہوگئی۔ یہ ہے محاذ پر۔ پوری قوم نکل آئی، جنگ کا تو خیال ہی نہیں تھا کہ جنگ ہو رہی ہے۔ لاہوری وہاں بیٹھ کر جیسے پتنگ بازی کرتے ہیں۔ ایسے جنگ میں حکومت اپیلیں کرتی ہے کہ خدا کے لئے آپ نیچے بیٹھیں، اوپر فائرنگ ہوتی ہے۔ جہازوں کے پیچھے لگ کے کوئی Accident ہو سکتا ہے۔ کوئی نہیں سنتا۔ بارڈر کی طرف جا رہے ہیں۔ روٹیاں پکائیں، ڈنڈے پکڑے کہ ہمیں جانے دو۔ کہا جاتا کہ آپ کی ضرورت نہیں ہے، ضرورت ہوئی تو آپ کو بلائیں گے لیکن نہیں جی۔ مائیوں نے روٹیاں پکائیں، پراٹھے پکائے کہ ہمارے فوجیوں کو پہنچاؤ۔ باباجی نے فرمایا کہ اب وہ کدھر جاتی ؟ مائی ہوتی تو۔ وہ یہ باتیں کر سکتی تھی؟ کہ وہ فرنٹ پر اپنے مجاہدوں کے پاس جائے اور ان کو حوصلہ دے کر آئے۔ وہ بڑا ہمارا President جنرل آیا ہے ادھر۔ اس نے جان لڑا دی ہے۔ باباجیؒ تو خلاف تھے (فاطمہ جناح کے) کہ وہ گھر میں برتن ہی توڑ دیتی ہے۔ اُٹھا کے مارے کہ وہ گئے سارے۔

جب اجلاس شروع ہوئے ایوب کے خلاف تو سردار عبدالقیوم خاں اس کے پاس گئے باباجیؒ گلبرگ میں تھے۔ ہمارے ایک بھائی تھے شریف صاحب۔ انشورنس میں ہوتے تھے۔ General Insurance of Pakistan یہ کمپنی تھی، اس میں یہ کام کرتے تھے۔ وہ سردار صاحب کی پارٹی کے تھے۔ وہ ان کو لے کر گئے۔ حلقہ میں تو کم ہی آتے تھے مگر باباجیؒ کے پاس وہ سردار عبدالقیوم صاحب کو لے آئے کہ چلو تمہاری باباجیؒ سے ملاقات کراتے ہیں۔ میں بھی اتفاق سے وہاں گیا ہوا تھا۔ وہ آئے۔ ان کو بتایا گیا کہ وہ سردار صاحب آگئے ہیں۔ باباجیؒ نے حال احوال پوچھا کہ جی اچھا ہے۔ ان کو Coffee پلائی۔ انہوں نے سیاسی باتیں شروع کر دیں

کہ انڈیا، پاکستان کا اور یہ کشمیر کا کیا بنے گا؟ باباجیؒ نے کہا کہ انڈیا کبھی بھی آپ کو یہ پلیٹ میں رکھ کے نہیں دے گا۔ جب بھی لینا ہے، لڑ کے لینا ہے، یاد رکھنا۔ اس دن جلسہ تھا۔ انہوں نے (سردار عبدالقیوم صاحب نے ) جلسے میں جاتے ہی Statement یہی دی کہ کشمیر پلیٹ میں رکھ کر کبھی نہیں ملے گا۔ جیسے کہتے ہیں کہ قرار داد مذمت سے نہیں، ہندو کی مرمت سے ہوگا۔ اس کی مرمت کرو گے، تب وہ مانے گا۔

دوسرا ایوب کا کہا کہ یہ اب مصیبت ہے۔ باباجیؒ نے کہا کہ ٹھیک ہے اس نے بڑے اچھے کام کیے ہیں۔ نیک نیت تھا مگر یہ تھوڑا ہے کہ ہمارے سر پہ سوار ہو جائے۔ اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ نہیں چھوڑے گا تو اس کو کوئی گولی مار دے گا۔ اس کو Shoot کر دے گا کوئی۔ اچھے کام کیے ہیں، باباجیؒ بڑے خوش تھے۔ مرگیا تو پھر بھی کہنے لگے کہ بہت خوش ہے، جنت میں مزے کر رہا ہے۔ وہ مجیب دوزخ میں ہے۔ فلاں بھی دوزخ میں ہے۔ ایوب جنت میں ہے، بڑے مزے کر رہا ہے۔ نیک نیتی سے کام کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اب یہ تھوڑا ہے کہ ہمارے سر پہ سوار ہو جائے۔ اب وہ جو حسنی مبارک کا آیا تھا کہ اس کو عمر قید ہوگئی ہے۔ چالیس سال نوکری اور اب یہ عمر قید برابر برابر ہی ہے۔ چالیس سال تھوڑا جینا ہے۔ چالیس سال حکمرانی کی ہے، دس سال بھی نہیں جینا اس نے۔ جیل میں ڈال دیا جلدی مر جائے گا۔ انشاءاللہ۔ ہاں اب اتنے سال حکمرانی کی ہے تو اب دوسرا بندہ بھی تو ہو۔ یہ ہے دنیا جس میں خیال رکھنا ہے کہ اللہ کی گرفت کسی وقت بھی پکڑ سکتی ہے۔ کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ اتنا Powerful اور کوئی یہ بھی کر سکتا ہے۔ اس بات کو وہ حکمران نہیں سمجھتے۔

خلافت ارض کی بھی تفسیر ہم نے پتا نہیں کر کے کیا کچھ کر دیا ہے۔ صفحوں کے صفحے، کتابوں کی کتابیں کالی کر دیں کہ خلیفۃ الارض جی بڑی چیز ہے۔ اس کو یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ خواہ مخواہ ہی۔ وہ اللہ نے آپ کا ایک زبردست قسم کا Test بنایا ہے اور آپ کے لئے آزمائش ہے کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔ سب جگہ سے ہم نے قرآن پاک کی جو آیات اکٹھی کر دی ہیں۔ اس

سے مفہوم بڑا Clear ہو جاتا ہے۔ہم نے اپنی رائے نہیں دی۔ہم نے تفسیر بالرائے نہیں بلکہ تفسیر قرآن بالقرآن کی ہے۔قرآن خلیفہ کی کیا Explanation کرتا ہے کہ خلیفہ کیا ہے؟ موسیٰؑ سے کہا کہ آپ آئے تھے،تب بھی یہ حال تھا،اب تم آئے ہو تب بھی یہ حال ہے۔یہ نہیں کہا کہ تم نے فرعون کو ڈبو دیا۔پتا نہیں کتنے سال لیے۔یہ تو ہمارا حساب ہوتا ہے،اتنی جلدی تو کام نہیں ہوتے۔لکھا ہے کہیں شاید کہ چالیس سال صحرا میں پھرتے رہے۔موسیٰؑ سے کہا کہ تم فکر مت کرو،اللہ پر بھروسہ رکھو۔اس سے مدد چاہو تو نماز شروع کرو اور صبر سے Patience دکھاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ تمہارے دشمن کو ختم کردے اور پھر تمہیں اختیار دے دے اور دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔جاء لکم خلفاء الارض. تمہیں زمین کے خلیفے بنا کے دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔اب یہ نور نبوت جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ عین ممکن ہے کہ یہ ویسا ہی ہو جائے اور ویسا ہی ہوا۔ایک قوم جو غربت میں پسی ہوئی ہے غلامی میں،وہ سوچ سکتی ہے کہ ہم میں سے ملک کے حکمران بن جائیں گے؟کبھی نہیں۔ختم ہو گئی تھی ان میں یہ Spirit جو ظلم وستم تھے ان پر وہ کیا۔ بچوں کو اور Men کو ختم کیا اور Ladies کو زندہ رکھا۔کچھ چلو بچ بھی جاتے ہوں گے لیکن مقصد یہی تھا کہ ان کی Population بڑھے نہ۔وہ ختم ہو گئے سارے۔وہ بیچارے بڑے Pressed۔ان کا کوئی مشن بھی نہیں تھا۔بس یہی کہتے تھے کہ یہ مجھے دے دو،ان کو میں ساتھ لے جاؤں۔ان کی اصلاح کی بات تو کر ہی نہیں رہے۔یہ کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اللہ نے بھی کہا کہ تم اس سے ذرا نرمی سے بات کرنا،ہوسکتا ہے کہ اس کو ہدایت مل جائے۔لیکن یہ ہے کہ زیادہ مسئلہ یا مطالبہ یہی تھا کہ ان کو چھوڑ دو،میں ان کو یہاں سے لے جاتا ہوں۔وہ اس کو بھی نہیں جانے دیتے تھے۔وہ ان کے غلام تھے۔اگر وہ (موسیٰؑ) ان کو لے جائیں گے تو یہ نالیاں کون صاف کرے گا؟ کام یہ جو چھوٹے ہیں،یہ کون کرے گا؟

# اقبالؒ اور اسلامی ثقافت

(خلیفہ عبد الحکیمؒ)

گزشتہ دو صدیوں میں اقوام عالم میں عظیم الشان انقلابات ظہور میں آئے۔ سائنس کی ترقی نے علمی انقلاب پیدا کیا۔ فطرت کی مادّی تسخیر نے صنعتی اور معاشی زندگی دگرگوں کر دی۔ جمہور نے بیدار اور خود شناس ہو کر تخت و تاج تاراج کر ڈالے۔ ہر جگہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ہر جگہ مذہب کے نام پر پیدا شدہ توہم پرستی، رجعت پسندی کا بازار سرد پڑ گیا۔

مغربی اقوام مسلمانوں کی پرانی حریف تھیں۔ جیسے جیسے ان کا اقتدار بڑھتا گیا مسلمان مغلوب اور محکوم ہوتے گئے۔ حریفوں کو یہ کہنے کا موقع ہاتھ آیا کہ تمام مسلمان اقوام میں اسلام ہی ایک قدرِ مشترک ہے۔ جہاں جہاں مسلمان ہیں وہاں دو چیزیں مشترک اور روش بدوش پائی جاتی ہیں ایک اسلام اور دوسری پستی و ذلت۔

لہٰذا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام ہی ان اقوام کی پس ماندگی کا ذمہ دار ہے۔ ملت اسلامیہ جو اپنے تئیں خود کو خدا کی چہیتی ملت سمجھتی تھی، یا تسلیم و رضا میں مُہر بہ لب تھی یا خدا سے شکوہ سنج۔ یہ شکوہ اقبالؒ کے قلب سے بھی نکلا:

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

اب مسلمانوں کے ایک طبقے نے کہنا شروع کیا کہ یہ سب تباہی اس لئے آئی ہے کہ مسلمان حقیقت میں مسلمان نہیں رہے۔ اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی زندگی بسر کرنے پر تیار نہیں۔ قولاً توحید کے علمبردار ہیں لیکن عملاً مشرک ہیں۔ اس پر دوسرے گروہ نے کہا کہ یہ تشخیص اور تجزیۂ حالات تو درست معلوم ہوتا ہے۔ جو قومیں دنیا کی مالک ہو گئیں اور مسلمانوں پر چھا گئی ہیں ان میں کون سا اسلام یا ایمان ہے۔ کج فہم مُلا اور بے بصیرت صوفی کہنے لگے کہ دنیا مومن کا

قید خانہ اور کافروں کی جنت ہے۔اصل چیز آخرت ہے جو مومنوں کے لئے مخصوص ہے، خواہ وہ دنیا میں کیسے ہی ذلیل معلوم ہوں۔دنیا چند روزہ ہے، دولت اور حکومت آنی جانی چیزیں ہیں۔ مادّی اقتدار اور مملکتوں کے عروج وزوال کو دین سے کیا واسطہ؟ جب بحروبر میں فساد ظاہر ہو جائے تو مومن کو غاروں اور خانقاہوں میں خلوت اختیار کرنی چاہیے۔مسلمانوں کے افکار میں جب یہ انتشار تھا اور انفرادی واجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر رہا تھا اس وقت مشیتِ ایزدی نے اس ملتِ خود ناشناس میں اقبالؒ جیسا صاحبِ دل مفکر پیدا کیا۔

اقبالؒ نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اسلام کی ماہیت کیا ہے اور اس کی اصلی روح کیا ہے۔ اسلام ایک عالمگیر پیغامِ حیات ہے۔محض چند عقائد کو الفاظ میں دہراتے رہنے سے کوئی ملت نجات اور جنت کی اجارہ دار نہیں بن سکتی۔قرآن نازل کرنے والے خدا نے اس اجارہ داری کے متعلق یہود اور نصاریٰ کو تنبیہہ کی تھی، اور خود مسلمانوں کو بھی آگاہ کیا تھا کہ اگر تم نے اس دینِ فطرت سے سرتابی کی جس کے قوانین اٹل ہیں تو دوسری قوموں کو متمکن فی الارض کر دیا جائے گا۔اقبالؒ نے اس دینِ فطرت پر ایک عارفانہ نظر ڈالی اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ دینِ فطرت اور اقدارِ حیات کے بیشتر عناصر جن اقوام کا جزوِ زندگی بن گئے ہیں، انہوں نے جو ترقی کی ہے وہ اسلام ہی کی تعلیمات کو تجربۂ حیات سے اخذ کر کے اپنا لینے کی وجہ سے کی ہے۔

مسلمانوں کو جو تعلیم خدا کی طرف سے دی گئی تھی وہ بے کوشش ان کے ہاتھ آئی اس لئے وہ اس کی قدر و قیمت بھول گئے۔جن اقوام نے جدوجہد اور علم وعمل سے ان حقائق کو اخذ کیا وہ ان کے زیادہ قدر شناس ثابت ہوئے۔کیوں کہ ان کو یہ دولت بڑی قربانیوں سے حاصل ہوئی تھی۔مسلمان اس سبق کو بھول گئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر اسلام، مسلمان کہلانے والی اقوام کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ایسی اقوام کی زندگی میں عملاً زیادہ دکھائی دینے لگا جو غیر مسلم کہلاتی ہیں تو کیا مسلمان کی نجات اب اس میں ہے کہ وہ مقتدر اور مہذب اقوام کی شاگردی اختیار کر کے محض نقالی کو اپنا لے؟

اقبالؒ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ محض نقالی اور کورانہ تقلید کبھی حقیقی زندگی پیدا نہیں کر سکتی، کورانہ تقلید ایک قسم کی ذہنی خودکشی ہے۔

مقلدین دو قسم کے تھے، ایک روایت پرست، ماضی پرست اور مشرق پرست اور دوسرے جدت پرست اور مغرب پرست۔ اقبالؒ ان دونوں قسم کے مقلدوں کو کوتاہ اندیش سمجھتے تھے اور ان سے بے زار تھے۔ کبھی کبھی وہ روحِ اسلام کے بجائے روحِ مشرق کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔

جغرافیائی حیثیت سے اسلام زیادہ تر مشرق میں ہے، اس لئے وہ روحِ مشرق کو بعض اوقات روحِ اسلام کا مترادف قرار دیتے تھے، ورنہ شرق و غرب کے متعلق اسلامی تعلیم تو وہی ہے جو قرآن میں ملتی ہے کہ نورِ الٰہی لاشرقیہ ولاغربیہ ہے، اور کہتا ہے کہ اس میں کوئی خاص بھلائی نہیں کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کوئی شخص اپنا منہ شرق کی طرف کرے یا غرب کی طرف کرے ،حیات ابدی ایک لامکانی مشیت ہے۔

اقبالؒ کے سامنے سوال یہ تھا کہ اسلامی ثقافت کی روح کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ روح کبھی ملتِ اسلامیہ میں کہیں صورت پذیر ہوئی بھی یا نہیں۔ تیسرے یہ کہ مستقبل میں اس کے صورت پذیر ہونے کی کیا توقعات ہیں اور چوتھے یہ کہ اسلام کی نام لیوا ملت کی کوئی مخصوص حیثیت اور کوئی مخصوص مشن ہے یا نہیں؟

اسلامی ثقافت کی روح کیا ہے، اس سوال کا جواب اقبالؒ کے اشعار میں جا بجا ملتا ہے اور اسکے لیکچروں میں بھی اس کی وضاحت ملتی ہے۔ اختصار کے ساتھ اس کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اسلامی ثقافت کی بنیاد ایک نظریۂ حیات ہے جس کا مرکز و محور اسلامی توحید ہے۔ ایک خلّاق ہستی ہے جو علیم و حکیم ہے، رحمت و ربوبیت اس کی فطرت ہے۔ علم اور رحمت کے جوہر اس نے انسان کی ہستی میں ودیعت کیے ہیں۔ جس طرح اللہ کی رحمت اور ربوبیت عام ہے، اسی طرح انسان کا بھی یہ مسلک ہونا چاہیے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق وہ اپنی استعداد کے موافق

عالمگیر رحمت کو اپنا شیوہ بنائے۔انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ محض کائنات کا تماشائی ہو یا محض عبادت کے انداز میں خدا کی خلاقی اور ربوبیت کی حمد و ثناء کرتا رہے۔اللہ کی فطرت سے بہرہ اندوز ہو کر اس کو خود عامل بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔اسلامی تصورِ توحید حقیقت میں ماہیتِ حیات کا تصور ہے اور اس تصور سے خاص قسم کا فکر اور خاص قسم کی زندگی بطور نتیجہ حاصل ہوتی ہے، اسلامی روح یہ ہے کہ انسان میں صحیح قسم کی جرأت پیدا کی جائے اور اس کو ہر قسم کے خوف سے نجات حاصل ہو۔اسلام وہ انسان پیدا کرنا چاہتا ہے جو ہر قسم کے خوف وحزن سے بالاتر ہو۔ اسلام مردِ مومن کو ربِّ رحیم وعلیم کا دوست اور رفیق بنانا چاہتا ہے۔

قرآن نے یہ کہا کہ انسان بندگی کیلئے پیدا کیا گیا ہے، لیکن اس نے عبادت کے مفہوم میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی۔دیگر ادیان میں عبادت زیادہ تر پوجا پاٹ کا نام تھا۔قرآن نے کہا کہ تمام مظاہرِ فطرت اور انفس و آفاق کے تمام کوائف آیات الٰہی ہیں۔وسیع معنوں میں کائنات صحیفۂ الٰہی ہے، اور اس کے قوانین کا مطالعہ حقیقی تلاوت ہے۔اس سے وہ بصیرت پیدا ہوتی ہے جس کی بدولت انسان کو خدا کے علم سے حصہ ملتا ہے۔زندگی میں حکمت کی تلاش اصل عبادت ہے۔قرآن نے ظاہری عبادت کو نہیں بلکہ حکمت کو خیرِ کثیر کہا ہے، اور خالی ظاہری عبادت کرنے والوں کو تنبیہہ کی ہے کہ افسوس ہے! ایسے نمازیوں پر جن کے قلب میں رحمت کا جذبہ نہیں ہے۔اسلامی ثقافت کی روح یہ ہے کہ تلاشِ حکمت اور جذبۂ رحمت کو دین کی اساس قرار دیا جائے۔الٰہی صفات کی تدریجی ترقی سے انسان خدا کا خلیفہ بن سکتا ہے۔

جو قوم حکمت سے بے بہرہ ہو اور رحمت کو فقط اپنا اجارہ تصور کر لے، وہ ربِّ رحیم و حکیم سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے۔اسلام نے حکمت کے متلاشی اور علم کے طالب کو ظاہری عبادت والے عابد پر اس قدر ترجیح دی ہے کہ دونوں کی فضیلت میں کوئی نسبت نہیں رہتی۔حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے، جہاں بھی ملے وہ اس پر قابض ہو جائے۔مسلمانوں میں جب تک اسلام کی روح کارفرما رہی انہوں نے ایسا ہی کیا۔عرب میں کوئی علوم وفنون نہ تھے۔اسلام نے مسلمانوں کو فقط ایک

زاویہ نگاہ اور ایک انداز حیات عطاء کیا اور وہ اس قسم کا تھا کہ باقی تمام نعمتیں اور برکتیں اس میں سے پیدا ہو سکتی تھیں۔ انگلستان کے مشہور عالم و ادیب ڈین انج نے دینی حکومتوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دینی حکومتیں تاریخ انسانی میں عام طور پر علوم کی دشمن رہی ہیں، وہاں صرف ایک مستثنیٰ قوم ملتی ہے جس کی حکومت دینی تھی لیکن ابتدائی صدیوں کے مسلمان مشرق و مغرب کے علوم پر اس طرح جھپٹے جس طرح پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔

اسلام نے کبھی علوم کو دین کا حریف قرار نہیں دیا، اور مسلمانوں میں کبھی یہ عقیدہ پیدا نہیں ہوا کہ دین و دانش میں کوئی اساسی تضاد ہے۔ اسلامی ثقافت کا بہترین نمونہ اس کی انقلابی تحریک کے آغاز میں ملتا ہے۔ اقبالؒ کی نظریں بھی بار بار اسی دور کی طرف اُٹھتی ہیں۔ وحی قرآنی کی ابتداء ہی اس سے ہوئی کہ ''اِقْرَاء'' پڑھ اور اس ربّ کا نام لے، جس نے قلم کے ذریعہ سے انسان کو علم سکھایا۔ اس کے بعد رحمت عامہ اور عدل کی تعلیم ہے کہ ان صفات کو فقط مومنوں کی جماعت تک محدود نہ کرو۔ جو لوگ تمہاری طرح کے عقائد نہیں رکھتے، ان کے بھی جان و مال اور آبرو کی اسی طرح حفاظت کرو جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو۔ جتنے مغلوب اور بے کس طبقے ہیں ان کی بے کسی کو رفع کرو۔ ان کے ساتھ عدل کرو، ان پر رحم کرو۔ غلاموں کو آزاد کرنے کی کوشش کرو کیونکہ غلامی توہینِ انسانیت ہے، اور جب تک یہ قبیح رسم پوری طرح منسوخ نہیں ہوتی تب تک اتنا ضرور کرو کہ غلام کو بھی اپنی طرح کا انسان سمجھو۔

جو لوگ تمہارے عقائد نہیں رکھتے ان کے ساتھ رواداری برتو۔ دین میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔۔ رواداری کی انتہا کر دی کہ یہ اجازت دے دی کہ ایک غیر مسلم عورت تمہاری اولاد کی ماں ہو سکتی ہے۔ اس رواداری کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام کو اپنی تعلیم کی صداقت اور اس کی دل کشی پر کامل اعتماد تھا۔ اسے یقین تھا کہ غیر مسلم اگر مسلم سے رابطہ پیدا کرے گا تو مسلم کا اسلام نہیں بگڑے گا۔ اور غیر مسلم کی اسلام پسندی کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عیسائی غلام تک کو یہ اجازت دی کہ وہ چاہے تو اسلام قبول کر لے اور چاہے تو اپنے آبائی دین پر

قائم رہے۔ جب اس نے اپنے آبائی دین پر قائم رہنا پسند کیا تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ تمہیں اس کا حق حاصل ہے۔ اسلام دنیا میں ایسی ہی آزادی قائم کرنے کو آیا ہے۔ آزادیِ ضمیر کا جو سبق اسلام نے دیا اور جس طرح اس پر عمل کیا دنیا کی تہذیبی ترقی اس پر کوئی اضافہ نہ کرسکی۔ بلکہ بڑی مہذب اور متمدن قوموں نے افراد سے یہ حق چھین لیا۔ آج جس اسلوبِ مملکت کو اجتماعیت کہتے ہیں خواہ وہ مارکسزم ہو یا جرمنی کی نازیت یا مسولینی کی فاشیت، ان سب نے افراد سے یہ حق چھین لیا۔

اسلامی ثقافت کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالی۔ لسانی، نسلی اور جغرافیائی امتیازات کو انسانی وحدت میں حائل ہونے سے روکا۔ مغربی قسم کی وطن پرستی، نسل پرستی اور رنگ پرستی مسلمانوں نے کبھی قبول نہیں کی۔ مغرب کی تقلید نے مسلمانوں میں ان مکروہ جذبات کو اُبھارنے کی جابجا کوشش کی۔ لیکن قوی اُمید ہے کہ اسلامی ثقافت کا وحدت انگیز پہلوان سے شکست نہیں کھائے گا۔

اسلام صدیوں سے ملوکیت، ملّائیت اور غلط قسم کے متصوفانہ افکار سے ملوث ہوکر نظروں سے اوجھل ہوگیا لیکن حقیقی اسلام کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ یہ چراغ پھونکوں سے کبھی نہ بجھے گا۔ مسلمانوں میں ہر جگہ بیداری کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہر جگہ استبداد کی زنجیروں کو توڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ صدیوں کا جمود اور استبداد یک بیک رفع نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے کچھ وقت لگے گا۔ اس کو پہلے غیروں کے بیرونی استبداد سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد یا اس کے ساتھ ساتھ اس کو ان زنجیروں کو بھی توڑنا ہے جو مذہب کے جمود اور معاشرت کی فرسودہ روایات نے اسے پہنا رکھی ہیں۔ اصلی اسلامی ثقافت وہ ہوگی جس میں عالمگیر عدل اور امن کے قیام کیلئے جہاد بھی ہو اور زندگی کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کیلئے اجتہاد بھی۔ جہاد و اجتہاد دونوں کے لئے علم کی ضرورت ہے کیونکہ علم ہی سے انفس و آفاق کی تسخیر ہوتی ہے۔

# فکرِ اسلامی اور استحکامِ پاکستان

(کے ۔ ایم ۔ اعظم )

جمال الدین افغانیؒ کے خیال میں عالم اسلام کے زوال کی بنیادی وجہ فکرِ اسلامی میں انحطاط ہے۔ان کے خیال میں دین اور فکر دینی دو منفرد تصورات ہیں۔اگر کسی دین کے فکر میں انحطاط رو پذیر ہو جائے،تو اس کی تبلیغ و ترویج بھی بے معنی ہو جاتی ہے۔یہ فکری انحطاط،اسلامی تہذیب کے لیے جس کا دارو مدار دین پر تھا،نہایت ہی مہلک ثابت ہوا۔

دراصل ہندوستان میں اسلام کی فکری اساس کی بنیادیں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد ہی میں کمزور ہونا شروع ہو گئی تھیں،گو اس مقتدر بادشاہ کی دلیرانہ شمشیر زنی کی وجہ سے اس پر پردہ پڑا رہا۔اورنگ زیب عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی،اس کے کمزور اور نا اہل جانشینوں کے دور حکمرانی میں ہر اطراف انتشار،نفاق اور ہوس کا بازار گرم ہو گیا۔ان نا مساعد حالات میں مسلمانوں کے مذہبی،روحانی،ثقافتی،تمدنی،معاشی اور سیاسی زوال کے آگے بند باندھنے کے لیے جس فرد نے سر دھڑ کی بازی لگا دی وہ شاہ ولی اللہ تھے۔انہوں نے بیک وقت تین محاذوں پر کام کیا۔ایک تو انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی زوال سے پیدا شدہ صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے اقدام اٹھائے،دوسرے انہوں نے ہندی مسلمانوں میں ملی اتحاد کو فروغ دینے کے لیے بھرپور کوششیں کیں،تیسرے انہوں نے احیائے دین کے لیے ایک مثبت اور مربوط فکری اساس مرتب کی۔گو تاریخ کے جبر کے سامنے شاہ ولی اللہ کامیاب تو نہ ہوئے،مگر وہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے ایک مثبت فکری اور عملی لائحہ عمل چھوڑ گئے،جس پر عمل پیرا ہو کے،آج کے مسلمان اپنی جنت گم گشتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پاکستان کی بقا و استحکام کا دارو مدار کلی طور پر اسلام پر ہے۔اس لیے پاکستان کی روحانی اساس کو اجاگر کیے بغیر پاکستان کا استحکام ناممکنات میں سے ہوگا۔چنانچہ پاکستان کے موجودہ دگر

کوں حالات میں ایک فعال فکری تحریک کا اجرا ہی اس کی بقا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ضمانت مہیا کر سکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان بھر میں ایک فکری اور نظریاتی جال (network) قائم کر دیا جائے۔اس فکری اور نظریاتی کام کو ایک تحریک کی شکل دینے کے لیے حضرت علامہ اقبالؒ کا تصورِ روحانی جمہوریت، نہایت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

اس فکری مناسبت کے سلسلے میں ایک نہایت ہی اہم کام، اسلامی نظام کے واضح خدوخال کے تعین کا ہے۔وہ کون سا اسلام ہے جس کے بغیر، حضرت علامہ اقبال کی نظر میں سیاست، چنگیزی، بن جاتی ہے اور وہ کون سا اسلام ہے، جس کو ہمارے ملا ''فی سبیل اللہ فساد'' بنا دیتے ہیں۔بے شک اگر ''نفاذِ اسلام'' کا مطلب ملاؤں کا اپنا اپنا اسلام رائج کرنا ہے، تو اس سے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور فلاحِ عامہ تو درکنار، ہمارے ہاتھ درماندگی، انتشار اور اللہ جل وجلالہ کی ناراضگی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو صحیح فکری راہ پر گامزن کیا جائے۔مگر ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیوں کہ صدیوں پر محیط ملوکیت اور سامراجی تسلط نے مسلمانوں کو ذہنی غلامی اور فکری جمود میں اسیر کر رکھا ہے اور وہ اس کی زنجیروں سے ابھی تک پوری طور پر آزاد نہیں ہو پائے۔صدیوں کی سیاسی غلامی نے ہماری قومی خود اعتمادی، اخلاقی قوت اور اجتماعی مورال کو پامال کر دیا ہے۔ہم میں روحانی بصیرت باقی رہی ہے نہ ہی حریتِ فکر۔چنانچہ پوری کی پوری قوم یا تو اسلاف کی نقالی میں مگن ہے یا پھر مغربی افکار کو اپنا کے مغرب کی متعین کردہ راہوں پر گامزن ہے ہمارے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ کس طرح قوم کو اس کی خوابِ گراں سے جھنجھوڑ کر روحانی تعمیرِ نو کی راہ پر گامزن کر دیں۔

پاکستانی معاشرہ ایک طرف رجعت پسند، مقلد اور متشدد اور دوسری طرف آزاد خیال، مغرب زدہ اور فرنگی گزیدہ گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔کوئی بھی گروہ ایسا نہیں جو کسی مثبت طریقے سے اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کر رہا ہو۔پاکستان کی روحانی تعمیرِ نو اسلام

کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کے بغیر ممکن نہیں۔اس کے لیے مسلمانوں کے مسخ شدہ عقائد اور ناقص فہم دین کی اصلاح ضروری ہے۔اس سلسلے میں سب سے اہم کام پاکستان کو ''جھوٹ'' کی وباء سے نجات دلانا ہے۔دراصل سچائی ہی روحانی جمہوریت کی بنیادی اساس ہے اور اسی سے عقل و دانش کی بالا دستی، اظہار رائے کی آزادی اور صحت مند اخلاقی اور جمہوری روایات قائم ہوتی ہیں۔اس کے برعکس ماضی پرستی اور شخصیت پرستی، جو کہ بت پرستی کی ہی ایک شکل ہے، قومی فکر کو نئے زمان و مکاں کی طرف حرکت دینے کی بجائے، ماضی کے فرسودہ تصورات میں جامد و منجمد کر دیتی ہیں۔ماضی کے ساتھ ایک تخلیقی تعلق رکھنا ایک بات ہے اور ماضی میں ہی گم ہو کے رہ جانا دوسری بات۔ایک زندگی ہے اور دوسری موت۔

اس وقت پاکستان مختلف انواع کی مشکلوں میں گھرا ہوا ہے۔بھارت اور مغربی طاقتیں ہماری جان کے درپے ہیں۔ان حالات میں ہمارے لیے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم اپنے فکر اور اعمال کا بے لاگ محاسبہ کریں تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ کہاں کہاں پر ہم پے در پے غلطیاں کر رہے ہیں اور حتی الوسع ان کے ازالہ کی کوشش کریں۔ایسا محاسبہ کئے بغیر ہم اپنے دشمنوں سے نبرد آزمانہ ہو سکیں گے۔اسلام کی ظاہری محبت کا دم بھرتے ہوئے، خود ستائی میں مبتلا رہنا منافقت ہی کی ایک شکل ہے۔اگر اسلام سے حقیقی محبت ہے تو ہمیں اپنا بے رحم محاسبہ کرنا ہوگا دوسری طرف دشمن کی سوچ کا صحیح اندازہ لگا کر ہی اپنا ردعمل متعین کرنا ہوگا۔اس سلسلے میں اپنے فکر کو مجتمع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔

(۱) جس وقت ہم اسلامی عالمگیر اخوت کے نام پر یہ کہتے ہیں:

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

تو غیر اقوام اسے ''محبت کی جہانگیری'' کے پیرائے میں نہیں، بلکہ اسلامی سامراج کی شکل میں دیکھیں گی، خاص طور پر جب جہاد فی سبیل اللہ ہماری امت کا طریق زندگی ہے۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

روئے زمین کو مسجد کہنے میں مغرب کو ہماری عبادات سے کوئی خطرہ نہیں تلواروں سے ہے۔

(۲) ہمارے یہ کہنے سے کہ ''امت مسلمہ علاقے اور ملک کی حدود سے بالاتر ہے، توحید اس کی اساس ہے اور کعبہ اس کا مرکز اور محور'' اقوام غیر اس میں بڑا خطرہ محسوس کرتی ہیں، بالخصوص جب کہ مغربی طاقتوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آفاقیت کے ٹھیکیدار وہ ہیں نہ کہ ہم۔

(۳) ہر وہ زمین ملت اسلامیہ کا وطن ہے، جس میں مسلمان اشتراک ایمان کی بنیاد پر متحد ہو کر اسلامی معاشرہ قائم کریں'' (زندہ رود)۔ ہمارے اسی انداز فکر سے مغرب خوفزدہ ہے۔

(۴) حکومت الٰہیہ کے قیام یا ظلم کے خلاف جہاد اور کشور کشائی کے لیے جنگ میں عملیاتی سطح پر کتنا فرق ہے؟

(۵) ہمارے علماء کی اسلامی سوچ میں قوت کو بڑی فوقیت حاصل ہے۔ بقول علامہ اقبال مذہب قوت کے بغیر ایک فلسفہ ہے اور بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ''تقویٰ کے بغیر قوت ظلم ہے جبکہ قوت کے بغیر تقویٰ بے معنی ہے'' حاکم کا اصل سرمایہ طاقت ہوتی ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ زیادہ تر طاقت آفاقیت کے لیے نہیں بلکہ ذاتی اور قومی مفادات کے لیے ہی استعمال ہوئی ہے۔

(۶) نیک تمنائیں حالات کو نہیں بدلتیں۔

(۷) اگر پاکستان اسی دن بن گیا تھا جس دن محمد بن قاسم نے ساحل سندھ پر قدم رکھا تھا، تو اب پرابلم کیا ہے؟ بقول ڈاکٹر اسرار احمد اسلام ہندوؤں کو فتح کر سکتا ہے، تو مسلمانوں کو فتح کرنے میں کیوں ناکام ہے۔

(۸) قدامت پسند علماء کو روشن خیال کیسے بنایا جائے، جو جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر کر سکیں؟ (اقبال)

(۹) کیا ایک روحانی سیکولر نظام ممکن ہے؟ ایک دینی اور سیکولر انسان میں بنیادی فرق کیا ہے؟

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا،مگر بنگلہ دیش سیکولرازم کے نام پر علیحدہ ہوگیا ۔کیا اب بنگالی ہم سے کم تر مسلمان ہیں۔

(۱۰) کیا انسان مذہب کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر صرف عقل کے زور پر ترقی کر سکتا ہے،جیسا کہ کانٹ،کومپٹ اور ہیگل کا خیال

(۱۱)جدید ریاست میں ''اللہ کی حاکمیت'' اور ''ملت آدم'' کے تصور کے مضمرات کیا ہوں گے؟

(۱۲) کیا ہمارا واحد مقصد سیاسی اقتدار کا حصول ہے،خواہ یہ اسلام کے نام پر ہو یا سیکولرازم کے نام پر؟

۱۳) ہمارے مسائل کا اصل سبب اپنے دین سے دوری ہے یا اپنے اپنے مسلک سے شدید لگاؤ؟

۱۴)مغربی جمہوریت سے روحانی جمہوریت کی طرف سفر کے مضمرات کیا ہوں گے؟

۱۵)کسی نظریہ کو ہم عینیت پسندی کا لبادہ پہنا کر اس کی عملی خامیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

۱۶) روحانی جمہوریت میں اسلام ایک آفاقی دین کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔اس میں اور علماء کے تصور اسلام میں کیا فرق ہے؟

ہمارا بنیادی مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی ،سماجی اور دینی ادارے ایسے روشن ضمیر ،درخشاں جبیں اور دلکش مسلمان پیدا نہیں کر پا رہے،جن کو دیکھنے کا ہم میں سے کوئی خواہش مند ہے مدارس، ، مساجد اور خانقاہیں تو موجود ہیں،مگر ان میں فکر و دانش اور وجدان کی شمعیں گل ہو چکی ہیں۔اگر ہم مندرجہ بالا چبھتے ہوئے سوالات پر تہہ دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو شاید ہمیں اپنا کھویا ہوا راستہ مل جائے۔

# احکام الٰہی

( اشفاق احمد )

جوانی کا زمانہ طاقت ور، منہ زور اور کڑا ہوتا ہے۔ جس وقت ہم جوان تھے، اس وقت ہم میں ضد بھی شامل تھی، اور سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ ہم کو دنیا بھر کے سوالوں کے جواب آتے تھے۔ کوئی مشکل سے مشکل بات ہو، ہم اس کو سمجھتے ہیں، یہ اس عمر میں ایک خاص طرہ امتیاز ہوتا ہے تو ہم نے ایک دن بابا سے یہ سوال کیا کہ سر آپ یہ بتائیں اور تو ساری باتیں سمجھ میں آ گئی ہیں زندگی کی، یہ بتائیں یہ جو برے برے لوگ ہوتے ہیں، ناکارہ لوگ ہوتے ہیں جن کا سوسائٹی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جنہوں نے بہت سے ایسے مظالم ڈھائے ہوتے ہیں لوگوں پر، کہ ان کو کوئی معافی نہیں ملنی چاہیے۔ وہ زندگی میں بڑے کامیاب ہوتے ہیں، اور بہت اونچے درجوں کے ہوتے ہیں، اور بہت اعلیٰ رتبے حاصل کرتے ہیں، اور جو لوگ بڑے اچھے ہوتے ہیں، بڑے نیک ہوتے ہیں، بڑے پاکیزہ ہوتے ہیں، وہ دکھ کھاتے رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو قدرتی طور پر ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ مسکراتے رہے۔ اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور ہم بڑے مایوس ہوئے، اور واپس اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئے، اور اپنے طور پر غور کرنے لگے کہ یہ عجیب ہے، یہاں بھی دو نمبر کام کرنے والے لوگ ہیں، ان کی بڑی عزت افزائی ہے، اور جو اچھے والے ہیں، وہ بے چارے مارے مارے پھرتے ہیں۔ کچھ معصوم لوگ ہوتے ہیں، ان کو کیوں سزا ملتی ہے زندگی میں؟ ایک تین سال کا بچہ ہے، اور وہ باہر نکلا سڑک پر اپنی گیند کو پکڑنے کے لیے، اور تیزی سے ایک کار آتی ہے، اس کو کچل جاتی، اب اس کا کیا قصور تھا۔ اس طرح کے بے شمار سوالات جو ذہن میں آتے تھے، جب بھی آتے تھے، اب بھی آتے ہیں، اور ان کا جوانی، اور بڑھاپے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یہ بتدریج آتے چلے جاتے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں جب تک انسان زندہ ہے۔ وہ ضرور ان سوالوں کو face کرتا ہے، اور ان کا جواب نہیں دے پاتا۔

ایک روز میں اور میرا ساتھی بہت بے چین ہوئے، اور ہمارے ساتھ ایک ایسا واقعہ گزرا تھا، جو ہمارے ساتھ نہیں گزرنا چاہیے تھا، کیوں کہ ہم اپنے "بھانویں" بڑے اچھے آدمی تھے لیکن ہم نے بابا جی سے پوچھا کہ سر یہ راز کھول کر ہمیں بتائیں، ایسا کیوں ہوتا ہے، تو انہوں نے کہا، دیکھو آپ لوگ جو ہیں، اللہ کے حکم کے پابند ہیں، احکام الٰہی کے پابند ہیں۔ آپ لوگوں نے ایک عجیب صورت حال اختیار کرلی ہے کہ آپ فعل اللہ کے اوپر تنقید کرنے لگے ہیں۔ فعل اللہ کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے، جو چاہے اس کی مرضی کرے۔ لیکن آپ صرف اس کے احکام تک رہیں اور فعل اللہ کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے کہا سرکار، یہ تو پھر کمال کی بات ہے۔ ہم تو پڑھے لکھے لوگ ہیں، اور ہم کو کالجوں، یونی ورسٹیوں میں یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ تنقید کریں۔ باقاعدہ Discuss کریں، ڈائیلاگ کریں۔ انہوں نے کہا، نہیں آپ کا، اور ان کا یہ رشتہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ تو آپ سے ہمیشہ یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ آپ احکام الٰہی کو چھوڑ کر فعل الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک نئی بات تھی جو بڑی قابل غور اور قابل توجہ تھی۔

پھر جب تھوڑا سا وقت اور گزرا، اور ہم نے اپنے اردگرد دیکھنا شروع کیا تو یہ محسوس کیا کہ واقعی ہماری توجہ فعل اللہ پر زیادہ رہتی ہے، اور ہم خوامخواہ اس میں دخل دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ کلفٹن گئے۔ ارادہ تھا کہ ساحل پر پکنک منائیں گے، بالکل پانی کے قریب جا کے ریت میں۔ وہاں جا کر کے دری بچھائی، سامان رکھ دیا اس کے اوپر، تو میں نے کہا تھا، کوئی لہر ایسی بھی آئے گی جو ہمارے اوپر چڑھ جائے گی۔ تو ہم نے کہا کوئی بات نہیں پھر ہم بھاگ چلیں گے، دری کھینچ لیں گے۔ بڑا مزہ رہے گا۔ جب میری بیوی سارا سامان لگا رہی تھی، چائے وائے کا تو میں نے دیکھا کہ اس دری کے اوپر ایک چھوٹی سی چیونٹی جو ہے، وہ چلی جا رہی ہے۔ بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ سمندر کے پاس گھونگھا، سیپی، سنکھ ہو سکتے ہیں۔ یہ چیونٹی کا یہاں کیا کام، یہ کدھر سے آ گئی۔ پھر میں نے غور کر کے ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے سوچتا رہا کہ یہ لالوکھیت سے

چلتی چلتی تیرہ دن کی مدت میں سفر طے کر کے آج ساحل پر پہنچی ہے۔لیکن پھر میں سوچنے لگا،اس نے کیوں اتنی مصیبت اختیار کی۔پھر میرے اندر سے آواز آئی کہ یہ بے چاری بہت بے چین تھی۔گھر میں بیٹھی۔اس نے سوچا کہ میں جو یہاں پر رہتی ہوں تو میں جا کر سمندر کی حقیقت معلوم کروں گی۔تو یہ سمندر کی گہرائی اوراس کی وسعت دیکھنے کے لیے یہاں تشریف لائی ہے،اور کہتی ہے کہ میں سمندر کو اچھی طرح سے سمجھنا چاہتی ہوں۔تو یہی کیفیت انسان کی ہے کہ وہ اللہ کو اس کی ساری گہرائی،اور گہرائی کو ایک چیونٹی سے بھی کم تر ہونے کے باوصف جاننے کی آرزو رکھتا ہے۔ جاننے کا تجسس،اور شوق ہوتا ہے۔تو ہم بیٹھے رہے۔خیر ایک لہر آئی،اوراس چیونٹی کو،ہماری جائے نماز کو،اور ہماری سب چیزوں کو بھگو کر گزر گئی،تو پھر مجھے خیال آیا کہ واقعی اللہ جو چاہے کرے،جس طرح سے مناسب سمجھے لیکن اس کے باوصف دل کے اوپر ایک بوجھ ضرور رہتا ہے، اور آپ بھی اپنی روزمرہ زندگی میں سوال کرتے رہتے ہیں۔اپنے دوستوں سے اپنے گھر والوں سے،اپنے عزیزوا قارب کے ساتھ۔تو ہمارے بابے یہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم سچے ہو،اور تم جاننا چاہتے ہو،اوراس راز کو معلوم کرنے کے خواہش مند ہو،صرف یہ نہیں سری پائے کھاتے ہوئے یا نہاری کھاتے ہوئے یا بروسٹ کھاتے ہوئے۔اگر آپ سچ مچ جاننا چاہیں تو پھر اس کا ایک نسخہ ہے بڑا سیدھا اور پائیدار نسخہ ہے۔وہ یہ کہ آپ احکام الٰہی کے اندر پورے کے پورے داخل ہوں ،جوں جوں آپ احکام الٰہی کے اندر داخل ہوتے جائیں گے،اوراس دائرے کے اندر اپنے آپ کو سمیٹتے جائیں گے آپ پر اسرار الٰہی ضرور واضح ہوں گے۔جس طرح سے آپ ایٹم کا راز معلوم کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا ایٹم جو آنکھ کو بھی نظر نہیں آتا،خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا،وہ کس طرح اتنا بڑا،اور طاقتور ہو سکتا ہے کہ سارے علاقے کو،ملک کو،جگہوں کو شہروں کو پھاڑ کر رکھ دے،اور ملیا میٹ کر دے۔عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ سب سے پہلے آپ نیوکلیئر فزکس پڑھیں۔ پھر آپ لیبارٹری میں آئیں،اور لیبارٹری میں آ کر اس پر تجربہ کریں۔پھر اس کے بعد آپ کہوٹہ جائیں گے۔پھر کہوٹہ میں جا کر ان کے ساتھ کام کریں۔آپ پر شیشے کی طرح یہ واضح ہونے

لگ جائے گا کہ یہ کیسے عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے افعال کو جاننے کے لیے اللہ کے احکامات کو ماننا ضروری ہے۔ یہ راستہ ہے۔ جب آپ احکامات کی لیبارٹری میں آ جائیں گے۔ پھر یہ ساری باتیں آپ پر آسانی کے ساتھ واضح ہوتی جائیں گی اور واضح یوں ہوتی ہیں کہ انسان جو ہے، وہ کتنی بھی کوششیں کیوں نہ کر لے، ایک سنگل بینڈ کا ریڈیو سیٹ ہے۔ اس پر ایک ہی سٹیشن بجتا ہے اور اس جگہ جہاں ہم بیٹھے ہیں، بے شمار او رلہریں بھی ہیں، اور ملک بھی بول رہے ہیں، لیکن میں تو ہوں ہی سنگل بینڈ کا ریڈیو، تو مجھ پر وہی ایک بجے گا۔ تو جوں جوں آپ احکام الٰہی میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کے بینڈ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور وہ سگنلز جو آپ کو ویسے سنائی نہیں دیتے، ویسے محسوس نہیں ہوتے، ویسے ان کا احساس نہیں ہوتا وہ ارتعاش آپ کے اندر داخل ہونے لگے گا۔ وہ اسرار فٹافٹ آپ کے اوپر کھلتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس وقت رک جائیں گے، جس وقت آپ احکام الٰہی سے ذرا سا بھی منہ پھیر کے کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم جیسے آدمی، چھوٹے سے آدمی، بالکل بے حیثیت۔ ہم نے تو ایسے رازوں کو نہ جاننے کی کوشش کی، نہ یہ ہماری حیثیت ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے میں نے دیکھے، اور بہت قریب سے دیکھے ہیں، جنہوں نے اس بات کو دل میں تہیہ کر کے اپنایا۔

احکام الٰہی میں داخل ہونے سے وہ فریکونسی ضرور ملتی ہے۔ پھر میں اس نتیجے پر پہنچا جس کے زور پر آدمی اپنے دل اور ذہن پر اٹھے ہوئے سوالوں کو جانچ سکتا ہے۔ پرکھ سکتا ہے، اور اس کو اس کا جواب ملتا رہتا ہے۔ لیکن اس میں ایک بات بڑی عجیب سی رہ جاتی ہے کہ کئی دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا شخص اور ایک بڑے مقام پر پہنچا ہوا آدمی، احکام الٰہی میں پورے کا پورا اترا ہوا انسان، کئی دفعہ کسی کوتاہی کی وجہ سے اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے، اپنی مرضی سے، اور اپنی مرضی کے خلاف بھی پھسل جاتا ہے، تو اس کے ساتھ جو ہوتی ہے وہ بھی اپنی طرز کی ایک نئی چیز ہے۔

ایک بہت بڑے صوفی تھے۔ وہ اپنے بچوں کی، اور اپنے متعلقین کی، اور اپنے مریدین

کی ٹریننگ کے لیے ڈیرے سے نکل کر باہر جنگل میں چلے گئے۔ایک ایسے جنگل میں جس کے قریب سمندر تھا۔لے جا کر ان کو جنگل کے مناظر بھی دکھانا چاہتے تھے،اللہ، جنگل اور سمندر کا رشتہ بھی کچھ اپنے انداز میں سمجھانا چاہتے تھے۔ان کو لے جانا اس لیبارٹری میں بہت ضروری تھا۔ مریدین کی ایک لمبی جماعت تھی۔وہ بابا جی تھے، وہ ایک درخت کے ٹنڈ پر بیٹھے ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔اچانک ایک شام ایسا ہوا کہ ایک اور بزرگ وہاں آ گئے اور انہوں نے آ کر اس صوفی کو السلام علیکم کہا۔یہ صوفی صاحب جو مریدین کی فوج لے کر گئے تھے۔اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور دست بدست ان کے سامنے جھکے اور ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا۔تو یہ جوان کے مرید تھے، وہ تو بے چارے پریشان ہوئے کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے آگے ہمارا پیر جو ہے، ہمارا گرو جو ہے، ہمارا monitor جو ہے، اس طرح سے جھکتا ہے تو وہ ان کے ساتھ محبت، اور ادب سے باتیں کرتے ہیں۔ایک مرید جو تھا میرے جیسا، اس کے دل میں کھد بد ہو رہی ہے، اور بدستور ہو رہی ہے۔اس نے کہا، اس کی کچھ خدمت ہونی چاہیے۔یہ وقت کے بہت بڑے ولی قطب ہوں گے۔مرید اپنے پیر صاحب کو ایک طرف لے کر کہنے لگا، حضور یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا یہی ولیوں کے ولی ہیں، اور ہم خوش ہیں کہ ان سے ہماری ملاقات ہو گئی، اور یہ امیر البحر ہیں۔یہ سمندروں کے قطب ہیں، سمندروں کی ڈیوٹی ان کو سونپی گئی ہے۔ہم اتفاق سے سمندر کے کنارے آ کر بیٹھے ہیں تو یہ ہم سے ملنے کے لیے آ گئے ہیں۔اس نے کہا، جی یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔اس سے تو ہماری ترقی ہو گی، اور ان سے کچھ پوچھیں گے۔وہ بولے ایک بات ہے برخوردار کہ تمہاری ترقی نہیں یہ کر سکتے کیوں کہ بڑے دکھ کی بات ہے، اور میرا دل اندر سے خون کے آنسو روتا ہے کہ ان کے بیچ جو ہیں، کندھوں پر جو سٹار لگے ہوتے ہیں، اتر چکے ہیں، اور ان کو اس کا علم نہیں، اور وہ ابھی تک اپنے آپ کو امیر البحر سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات سنی اس مرید نے تو رونے لگا کہ اتنا بڑا درجہ میرا پیر ان کو دے رہا ہے، اور ان بے چاروں کو پتا نہیں۔وہ اتنی زور سے رویا کہ انہوں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا کہ تو خاموش رہ،

ورنہ ان کوعلم ہوگیا تو بڑی تکلیف ہوگی۔خیر وہ ملے بیٹھے،ان کے ساتھ باتیں کیں۔پھر انہوں نے کہا، ہم کو اجازت دیجیے۔ہمیں اپنی ڈیوٹی پر جانا ہے سمندروں میں۔تو مرید نے کہا کہ میں ان کو چھوڑ آؤں۔انہوں نے کہا،ضرور یہ تو ہمارا فرض ہے۔

وہ پیچھے پیچھے ان کے دست بدست چلا۔اور جو امیر البحر تھے وہ آگے آگے چلے تو جنگل میں جاتے جاتے جب گھنا جنگل آیا تو اس نے کہا، آگے آجاؤ میاں ہمارے ساتھ۔تو اس نے کہا نہیں حضور ایسے ہی ٹھیک ہے۔جب بات کی تو اس نے زور سے چیخ ماری، اور رونے لگ گیا۔ انہوں نے کہا، کیا بات ہے۔تم رونے کیوں لگ گئے ہو۔اس نے کہا،حضور میرا دل بھر آیا ہے، اور میرے اوپر ایسی افتاد پڑی ہے کہ میں عرض نہیں کرسکتا۔انہوں نے کہا، بے فکر رہو۔ہم سے بات کرو، ہم تمہارے پیر سے بات کریں گے۔کوئی الجھن ہے؟ اس نے کہا، ہاں حضور الجھن ہے۔ انہوں نے کہا، کیا الجھن ہے؟ اس نے کہا،حضور الجھن یہ ہے کہ آپ امیر البحر ہیں، اور آپ کا تصرف ہے سمندروں پر، یہ آپ کی ڈیوٹی ہے۔انہوں نے کہا ہاں یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر، لیکن حضور آپ کے بپ اتر چکے ہیں آپ کے سٹارز کوئی نہیں ہے۔اب آپ اس ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ تھوڑے دنوں میں آپ کو پتا چل جائے گا۔انہوں نے کہا،تم کیا بکتے ہو۔اس نے کہا، مجھے یہ فرمایا گیا ہے جو عرض کیا۔اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔انہوں نے بھی جب ادھر ادھر دیکھا، دونوں کندھوں پر تو واقعی ان کے سٹارز نہیں تھے وہاں۔انہوں نے خاک زمین سے اٹھا کر سر میں ڈالنا شروع کی، اور رو رو کر واویلا کیا کہ جنگل میں پرند چرند سب پریشان ہو کر شاخوں سے اڑ گئے۔انہوں نے کہا۔اے پیارے، اے نوجوان! تم نے مجھ پر اتنی بڑی مہربانی کی ہے۔اب مجھ پر ایک مہربانی اور کرو کہ میرے پاؤں میں رسی باندھو، اور مجھ کو گھسیٹو زمین پر، اس جنگل میں، اس کڑی سر زمین پر، جہاں کیکر کے کانٹے اور کیا کچھ نہیں ہے۔میں بھی واویلا کرتا ہوں تو بھی کر کہ اللہ کے احکام نہ ماننے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے، جو مجھ سے بے خیالی میں ہوگیا۔اس نے کہا، حضور میں تو یہ بے ادبی کر نہیں سکتا۔آپ مجھے قتل کر دیں، یہ میں نہیں کروں گا۔انہوں نے کہا،

میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔میں کبھی تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔تو بے چارہ مجبور ہوگیا۔اس نے کوئی سخت بیل توڑی،اس کو بل دیا،حکم کے مطابق ان کے ٹخنوں پر باندھا کندھے پر بیل کو رکھا اور چیخیں مارتا ہوا خود بھی اس کو بت کی طرح گھسیٹتا ہوا چل پڑا جنگل میں،اور وہ روتے جاتے تھے، اور آہ و بکا کرتے جاتے تھے،اور فریاد کرتے جاتے تھے کہ ہماری کوتاہی،جو گناہ ہے،معاف کیا جائے جب وہ چلتے ہوئے آرہے تھے،تو بتانے والے بتاتے ہیں جتنے پرندے درختوں میں بیٹھے تھے، انہوں نے بھی چیخ و پکار شروع کردی،اور رونا شروع کردیا،اور جنگل کی ہرنیاں اور ہرن اور شیر اور چرند پرند سب کھڑے ہوگئے اور منہ اوپر اٹھا کر کہنے لگے،یا باری تعالیٰ ان کو معافی عطا فرما۔ہم تیری مخلوق ہیں۔بیکار سی مخلوق ہیں۔ہم تو جانور ہیں لیکن تیرے حضور یہ تو درخواست کرسکتے ہیں کہ اس کو معافی عطا کی جائے۔ان کا رونا،اور چیخنا،اور پرندوں اور جانوروں کا اللہ کو پسند آیا،تو پھر کہا گیا،جا اس کو معاف کیا۔چنانچہ اٹھ کے کھڑے ہوگئے۔تو وہ آگئے اپنے عہدے پر واپس۔تو اس مرید نے کہا،حضور میں تو خوشی سے بے چین ہوا جارہا ہوں۔الحمدللہ۔جب وہ جانے لگے سمندر کا کنارہ نزدیک آگیا۔کیوں کہ اب انہوں نے اپنی ڈیوٹی پر حاضری دینی تھی۔مرید نے کہا،حضور میری حیثیت تو نہیں،لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ سے کیا کوتاہی ہوئی ہے۔کیا آپ کو یاد ہے۔کہنے لگے چند روز کی بات ہے کہ سمندروں میں اپنی ڈیوٹی دینے جارہا تھا،کشتی میں بیٹھا تھا،اور حکم خداوندی سے چل پھر رہا تھا۔بڑی تیز بارش ہونے لگی سمندر میں۔تو میں نے کہا،یا باری تعالیٰ اس بارش کو یہاں ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔بھرے سمندر پہ یہ بارش۔اگر سوکھے میدانوں میں ہو تو کچھ فائدہ ہو۔لوگوں کو اناج ملے،فصلیں اگیں۔بس اتنی بات،میں نے رائے دی تھی۔فعل اللہ کے اوپر میں نے تنقید کی تھی،تو خواتین و حضرات پھر یہ بات ہوگئی۔فعل اللہ اور ہیں،احکام اللہ اور ہیں،اور ہم سب احکام الٰہی کے پابند ہیں۔اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔آمین۔(اقتباس از: **زاویہ**)

# علم اور عمل

(ڈاکٹر اظہر وحید)

علم اپنی اصل میں بحرِ بیکراں ہے ...... اور انسانی علم اِس میں تیرتے ہوئے ایک بجرے کی مانند ہے ....... عمل کے بغیر اس کی قسمت میں ساحلِ مراد نہیں ! وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے، انسان کے خلاف ایک فردِ جرم بن جاتا ہے۔ علم حاصل کرنا فرض ہے .... تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ واجبات ترک کر دیے جائیں تو نوافل کام نہیں آتے۔ علم پر عمل کرلیا جائے تو علم ایک اثاثہ بن جاتا ہے ۔۔ ورنہ واجبات ..... **بلکہ واجب الادا قرضہ جات!!!**

علم اور عمل دو دوام حقیقتیں ہیں۔ ان میں سے ایک کی نفی کر دی جائے تو دوسری حقیقت بھی آشنائے دوام نہیں ہوتی۔ علم جب تک عمل سے واصل نہ ہو، وجود پر وارد نہیں ہوتا .... اور جب تک وجود پر وارد نہ ہو، قابلِ بیان نہیں ہوتا ...... اور جب تک قابلِ "**بیــــان**" نہ ہو، دوسروں کیلئے قابلِ عمل نہیں ٹھہرتا۔ دراصل علم صرف زبانِ حال سے بیان ہوتا ہے۔

علم کے بغیر عمل ایسے ہی ہے، جیسے کسی ریستوران کی سیڑھیوں پر رکھے ہوئے پلاسٹک کے گملوں میں کاغذ کے گلاب ..... راہ چلتے لوگوں کی نظر لبھائیں، لیکن ماحول کو خوشبودار نہ کر پائیں!!! علم اور عمل میں وہی تعلق ہے، جو پھول اور خوشبو میں ہوتا ہے۔ وہ علم جس پر عمل نہ ہو، محض معلومات کا "خزانہ" ہے۔ ایسے خزانے، انسانی دماغوں سے کہیں زیادہ بہتر اور منظم طور پر لائبریریوں اور کمپیوٹروں میں "محفوظ" ہوتے ہیں۔ درحقیقت علم وہی ہے، جو وجود پر وارد ہوجائے ... اور یہی وہ علم ہے جو وجود کو جمود سے نکال کر وجد میں داخل کر دیتا ہے۔

ایک بے سمت اور بے مصرف ذہنی مصروفیت کا نام علم نہیں! حصولِ علم کا ایک مقصد حاضر و موجود سے نجات بھی ہے۔ ایک صاحبِ علم کو خود سے نجات کا علم بھی آنا چاہیے۔

وہ علم جو وجود کی کشش سے نجات نہ دے سکے، اُس سے نجات پانے کی دُعا کرنی چاہیے۔ وہ علم جو انسان کو لطافت کی بہشت سے نکال کر کثافت کی زمین پر ہبوط کردے، اُس پر توبہ واجب ہے.... کہ یہی وہ علم ہے جو نفس پر ظلم ایجاد کرتا ہے۔ علم خود شناسی بھی ہے اور خود احتسابی بھی! ستم یہ ہے کہ ہمارا سارا ''علم'' اپنی مہلتِ عمل سمیت دوسروں کے اعمال کا احتساب کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی خرچ ہو جاتی ہے۔ اور خاطر تک جمع نہیں ہو پاتی! دِن کی روشنی کا علم اگر ہماری رات میں چراغاں نہ کرسکے، تو روشنی کا علم کس کام کا ٹھہرا !!!

جب انسان اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو وہ علم دینے والے سے بے وفائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بے عمل انسان وقت کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، باعمل شخص وقت کے اسی سیلِ رواں کو موڑ دیتا ہے۔ پیہم عمل کرنے والی قومیں وقت کے تیز دھارے کو آبشاروں، جھیلوں اور ندیوں کی شکل دے کر جہانِ رنگ و بُو میں رنگا رنگ گُلکاریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ بے عمل قوم ہر سال کسی سیلابِ بلا کا شکار رہتی ہے۔

علم کے بعد بے عملی، دراصل اپنے ہی علم پر بے یقینی کا اعلان ہے۔ علم پر یقین نہ ہو، تو عمل کی طرف قدم نہیں بڑھتا۔ عمل کی شاہراہ پر چلنے والے اپنے علم کو عین یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں.... اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ مشاہدے کے بعد مجاہدے میں مداومت کا عمل دوقدم ہے۔ اس طریق پر چلنے والے مسافر چلتے چلتے خود سنگِ میل کی صورت ہو جاتے ہیں، جنہیں دیکھ کر قافلے اپنا قبلہ درست کرتے ہیں..... اور نئے سرے سے ہمت باندھتے ہیں!!!

انسان کو علم اِس لئے دیا گیا ہے کہ وہ فناء سے بقاء کی طرف ہجرت کر سکے۔ حضرت واصف علی واصفؒ فرماتے ہیں: ''اگر علم کا مدعا خوشنودیٔ خلق ہے تو حجاب اور اگر علم کا منشاء رضائے حق ہے تو نور، بلکہ نورٌ علیٰ نور!!'' وہ علم جو نور کی طرف راہنمائی نہ کر سکے، اُس میں گھرے ہوئے شخص کی مثال اَز رُوئے سورۂ نور ایسی ہے، جیسے مادّیت کے بحرِ ظلمات میں گھُپ گہری اندھیری رات اور اس میں طغیانی کی منہ زور موجیں.... کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے اپنا ہاتھ خود بھی دکھائی نہ دے!!!

ایک دنیا دار آدمی اِس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ لوگوں کو مرعوب کر سکے۔ لوگ دولت اور حکومت سے بھی خلقِ خدا کو مرعوب کرتے رہتے ہیں..... ایسے لوگوں کو جاہل کہا جاتا ہے۔ وہی عام سے کام جو لوگ دولت اور حکومت سے کرتے رہتے ہیں، اگر علم کو ذریعہ بناتے ہوئے کئے جائیں، تو جہالت کے اس درجے کو کیا کہیں گے؟ اگر حصولِ علم کا مقصد مادّی منفعت ہے تو ایسا علم، نفع بخش نہیں ہوگا..... گھاٹے کا سودا نکلے گا!! علم اگر صرف جان لینے کی تمنا تک محدود رہے..... تو جان لے کر رہے گا۔ آج کے دَور کا علم معاشیات لوگوں سے معیشت چھین لینے کا ہنر سکھاتا ہے۔ موجودہ دور کا علمِ طبّ، معالجین کو صرف بیماریوں کی تشخیص کرنے اور ادویات تجویز کرنے کا لائسنس فراہم کرتا ہے، اُنہیں مریضوں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا۔ بیماروں سے زیادہ بیماریوں میں دلچسپی لینے والا معالج شفاء کے تصوّر سے نا آشنا ہے۔ معالج کا اخلاص اور اخلاق ہی مریض کیلئے شفاء کی نوید ہوتی ہے۔ امیر اور غریب مریض میں تفریق کرنے والا صرف دولت جمع کرنے میں مصروف ہے۔ نجی ہسپتال گویا نجی بینک کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ بینکوں کی طرح اِن کا عملہ امیر کلائنٹس کے سامنے بچھ بچھ جاتا ہے.... اور غریب ہتھے چڑھ جائے تو اس کا خون نچوڑ لیا جاتا ہے۔ غلطی سے ہم ٹیکنیکل تعلیم کو علم سمجھے بیٹھے ہیں، حالانکہ فنی تعلیم محض ایک ہنر ہے۔ ہنرمند افراد جب تک خدمت کا ہنر نہیں سیکھتے، اُن کی ہنرمندی نوسر بازی کی ایک ترقی یافتہ شکل بن جاتی ہے۔ علم جب تک قربانی دینے کا ہنر نہ سکھائے، منفعت بخش نہیں ہوتا..... نہ اپنے لئے، نہ مخلوقِ خدا کیلئے! جو علم ربّ کی طرف سے آئے گا، وہ مخلوق کی ربوبیت کرے گا!!

انسان جیسے جیسے سائنس اور ٹیکنالوجی سے اپنی ترقی کی رفتار میں اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے، اِس پر اخلاق اور رُوحانیت کی تعلیم بھی اُسی انداز او رفتار سے واجب ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے موٹر وے پر دوڑنے والی گاڑیاں، لوہے کی پٹری پر پھسلنے والی سبک رفتار بلٹ ٹرین اور ہوا کے دوش پر تیرنے والے جمبو جیٹ اگر نظم وضبط کے پروٹوکول کی پاسداری نہ کریں تو نتائج خوفناک مرتب ہوتے ہیں۔ گلوبل ویلیج میں انفرادی غلطی کا نتیجہ اجتماعی نکلتا ہے۔۔ اس طرح، پہلے کی طرح آج بھی تعمیرِ ملت کیلئے فرد کی اصلاح فرداً فرداً ضروری ہے۔!!!

# عبدالغفور جیسی موت

(جاوید چوہدری)

وہ ہر ملنے والے سے صرف ایک ہی درخواست کرتے تھے" آپ میرے لیے دعا کریں میرا خاتمہ ایمان پر ہو"۔لوگ انہیں خوش حالی ،ترقی ،صحت اور عہدے کی دعا دیتے تھے لیکن وہ اسے روک کرفرماتے تھے" آپ کی دعا سر آنکھوں پر لیکن مہربانی فرما کر آپ میرے لیے صرف اتنی دعا کردیں اللہ تعالیٰ مجھے عبدالغفور جیسی موت نصیب کردے"ہم حیران ہوکر پوچھتے تھے "سر! یہ عبدالغفور کون تھا؟"۔وہ ہمارا سوال ہنس کر ٹال دیتے تھے،عزیز صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے نواز رکھا تھا،وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، 1970 کی دہائی میں ہارورڈ یونیورسٹی سے بزنس کی ڈگری لے کر آئے تھے،وہ صاحب علم بھی تھے، کتابوں کے ڈھیر پر سوتے اور کتابوں کے کمبل میں جاگتے تھے، دنیا میں جو بھی اچھی کتاب شائع ہوتی تھی وہ عزیز صاحب تک ضرور پہنچتی تھی اور عزیز صاحب اسے گھول کر پی جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت کی نعمت سے بھی نواز رکھا تھا، وہ 72 سال کی عمر میں 22 سال کے جوانوں کا جسم لے کر پھرتے تھے،انہیں زندگی میں کبھی سر درد تک نہیں ہوا تھا، وہ پیدائشی امیر بھی تھے، والد صاحب زمین دار بھی تھے اور صنعت کار بھی، وہ فلور ملوں کے مالک تھے، اپنی گندم پیس کر بیچتے تھے اور کروڑوں کماتے تھے، والدین کی واحد اولاد تھے ۔چنانچہ خاندان کا تمام مال و دولت اور سارا اثاثہ انہیں منتقل ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سعادت مند اور پڑھی لکھی اولاد سے بھی نواز رکھا تھا۔چنانچہ وہ ہر لحاظ سے ایک شاندار زندگی گزار رہے تھے، لیکن وہ اس کے باوجود ہر وقت خود بھی عبدالغفور جیسی موت کی دعا کرتے تھے اور دوسروں

سے بھی یہی درخواست کرتے تھے۔ہم وجہ پوچھتے تھےتو وہ فرمایا کرتے تھے ''بس عبدالغفور مجھے سیدھا اور صحیح راستہ دکھا گیا'' اللہ تعالیٰ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے'' اور وہ اس کے بعد خاموش ہو جاتے تھے۔

یہ 1993 کا حج تھا، مجھے انہوں نے بلایا، بڑے پیار سے ملے اور فرمایا ''میں حج پر جا رہا ہوں اور شاید میں وہاں سے واپس نہ آسکوں، بس بیٹا میں نے آپ سے صرف ایک درخواست کرنی تھی، میں آپ کو جب بھی یاد آؤں آپ میری اولاد کے لیے ایمان پر خاتمے کی دعا کر دینا'' میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور عرض کیا'' آپ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ حج سے واپس نہیں آئیں گے اور دوسرا آپ اس بار اپنے بجائے اپنی اولاد کے لیے کیوں دعا کرا رہے ہیں'' وہ ہنس کر بولے'' آپ مجھ سے اکثر عبدالغفور کی کہانی سننا چاہتے تھے، میں سمجھتا ہوں اب وہ کہانی بتانے اور سنانے کا وقت آ گیا ہے، آپ عبدالغفور کی داستان سنو، آپ کو میری بات سمجھ آ جائے گی'' وہ رکے اور پھر آہستہ آواز میں بولے''عبدالغفور ہماری لاہور کی مل میں ملازم تھا، وہ بلا کا کام چور، سست اور دھوکے باز تھا، وہ مل کی گندم اور آٹا چوری کر کے بھی بیچ دیتا تھا، کام میں بھی سستی کرتا تھا اور وہ جی بھر کر نکھٹو بھی تھا، کئی بار اسے نکالنے کا فیصلہ کیا لیکن پھر میں اپنے والد کی وجہ سے رک جاتا تھا، میرے والد نے نصیحت کی تھی، میرے بعد کسی ملازم کو نوکری سے نہیں نکالنا، عبدالغفور مجھے والد کی طرف سے ورثے میں ملا تھا۔ چنانچہ میں اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا، عبدالغفور کو زندگی میں کسی نے کبھی نماز پڑھتے دیکھا تھا نہ ہی کوئی اور نیکی کا کام کرتے، وہ دبا کر سگریٹ بھی پیتا تھا اور چرس بھی، وہ پوری زندگی مقروض بھی رہا تھا، ہم ہر سال اپنے ایک ملازم کو حج پر بھجواتے تھے، ہم اس ملازم کے تعین کے لیے قرعہ اندازی کرتے تھے، ہم نے ایک سال قرعہ اندازی کی، عبدالغفور کا نام نکل آیا، ہم نے اسے حج کی پیشکش کی لیکن اس نے انکار کر دیا، لوگوں نے اسے

بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا چنانچہ ہم نے دوسرے ملازم کو بھجوا دیا، اگلے سال پھر اس کا نام نکل آیا، عبدالغفور نے اس سال بھی انکار کر دیا، ہم نے دوبارہ قرعہ اندازی کی، دوسری بار پھر اس کا نام آ گیا، ہم نے تیسری قرعہ اندازی کی پھر عبدالغفور کا نام آ گیا، ہم نے تجربے کے لیے مرتبان میں چوتھی مرتبہ عبدالغفور کی پرچی نہ ڈالی اور اس کی جگہ خالی پرچی ڈال دی، چوتھی مرتبہ پرچی نکالی تو وہ خالی نکلی، گویا اللہ تعالیٰ ہر صورت عبدالغفور کو حج کرانا چاہتا تھا لیکن وہ نہیں مان رہا تھا، ہم نے اس پر بہت زور دیا مگر اس کا کہنا تھا مجھے تو نماز بھی نہیں آتی، میں حج کر کے کیا کروں گا، میں نے آخر میں اس کے ساتھ سودا کیا، میں نے اس سے کہا تم حج پر چلے جاؤ میں تمہیں پورے سال کی تنخواہیں اضافی دے دیتا ہوں، وہ لالچ میں آ گیا، میں نے مولوی صاحب کا بندوبست کیا، مولوی صاحب نے اسے نماز اور حج کا طریقہ سکھایا، دعائیں اور آیتیں یاد کرائیں اور ہم نے اسے حج پر روانہ کر دیا، عبدالغفور حج پر گیا، حج کیا، طواف الوداع کیا، عشاء کی آخری نماز پڑھی، سجدے میں گیا اور سجدے ہی میں انتقال کر گیا، وہ مرنے کے بعد دیر تک سجدے میں پڑا رہا، ساتھیوں میں سے کسی نے بلایا تو پتہ چلا عبدالغفور انتقال کر چکا ہے، آپ اللہ کے فیصلے دیکھیے، اس رات امام کعبہ کا انتقال بھی ہو گیا، اگلی صبح امام کعبہ کا جنازہ تھا، عبدالغفور کی میت بھی امام کعبہ کے ساتھ حجرے اسود کے سامنے رکھ دی گئی اور لاکھوں حاجیوں نے اس کا جنازہ پڑھا، ہمیں اطلاع دی گئی ہم سے نعش کے بارے میں پوچھا گیا، ہم نے اس کی بیگم سے پوچھا، بیگم کا کہنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اگر اسے خانہ کعبہ بلایا ہے تو پھر اس کی تدفین بھی مکہ میں کر دی جائے، ہم نے اس کی تدفین کی اجازت دے دی اور یوں وہ مکہ مکرمہ میں دفن کر دیا گیا، میں اس کے نصیب پر حیران ہو گیا۔

میں اس کی بیگم کے پاس گیا اور اس سے عبدالغفور کی خوش بختی کی وجہ پوچھی، بیگم نے ایک عجیب بات بتائی، اس کا کہنا تھا ''میرے خاوند میں کوئی خوبی نہیں تھی، اس نے زندگی میں کبھی

کوئی نیکی نہیں کی، میں خود حیران تھی اللہ تعالیٰ نے اسے کس نیکی کا صلہ دیا، میں کئی دن سوچتی رہی، پھر مجھے اچانک اس کی ایک اچھی عادت یاد آئی، ہمارے محلے میں ایک خوبصورت بیوہ ہے، یہ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی، محلے کے تمام افراد اس پر بری نظر ڈالتے تھے، اس کی دو چھوٹی بیٹیاں تھیں، مکان اس کو اس کا مرحوم خاوند دے گیا تھا، گھر کے اخراجات اس کے دیور نے اٹھا لیے تھے لیکن مہنگائی میں اس کا گزارہ نہیں ہوتا تھا، وہ اپنی بیٹیوں کو پڑھانا چاہتی تھی لیکن وہ جہاں جاتی تھی لوگ وہاں اس کی عزت پر ہاتھ ڈال دیتے تھے چنانچہ وہ کام چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی تھی، میرے خاوند کو پتہ چلا تو وہ اس کی ڈھال بن گیا، اس نے اسے اپنی بہن بنا لیا، اس نے اپنی منہ بولی بہن کو گھر بٹھایا اور اس کی دونوں بیٹیوں کو سکول داخل کرا دیا، وہ لوگوں سے قرض لے کر، آپ کی فیکٹری سے چوری کر کے ان بچیوں کو تعلیم دلاتا تھا، وہ ہفتے دس دن بعد اپنی منہ بولی بہن کے گھر راشن بھی دے کر آتا تھا لیکن اس نے راشن دیتے وقت یا بچیوں کی یونیفارم، کتابیں اور فیس دیتے ہوئے کبھی اس کے گھر کی دہلیز پار نہیں کی تھی، وہ تمام چیزیں ایک بڑی سی ٹوکری میں رکھتا تھا وہ ٹوکری بیوہ کی دہلیز پر رکھتا تھا، دروازے پر دستک دیتا تھا اور کہتا تھا مریم بہن میں نے سامان باہر رکھ دیا ہے، آپ اٹھا لیں اور مریم وہ سامان اٹھاتے وقت ہمیشہ کہتی تھی ''جا میرے بھائی اللہ تمہارا خاتمہ ایمان پر کرے''، ہمیں یہ دعا عجیب لگتی تھی لیکن ہم چپ رہتے تھے، آپ نے اسے پچھلے سال بھی حج پر بھیجنے کی کوشش کی لیکن اس نے یہ سوچ کر انکار کر دیا وہ اگر سعودی عرب چلا گیا تو مریم بہن خود کو بے آسرا محسوس کرے گی، وہ اس بار بھی نہیں جانا چاہتا تھا لیکن آپ نے اسے پورے سال کی اضافی تنخواہ دے دی، عبدالغفور نے وہ ساری رقم مریم بہن کو دے دی، وہ حج پر چلا گیا، اس کا وقت پورا ہو چکا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے زبردستی مکہ بلوایا، مریم بہن کی دعا قبول ہوئی اور میرا خاوند ایمان کی عظیم حالت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا، آپ حیران ہوں گے، مریم نے

جب یہ خبر سنی تو اس کے منہ سے بے اختیار شکر الحمدللہ نکل گیا'' وہ رکے، چند لمبے سانس لیے اور پھر گویا ہوئے ''میں یہ داستان سن کر سکتے میں آ گیا، میں اس کے بعد مریم بہن کے گھر گیا اور میں نے عبدالغفور کی طرح اس خاندان کی ذمہ داری اٹھالی، میں اس دن سے مریم بہن، عبدالغفور کی بیگم اور اپنے تمام دوستوں سے درخواست کر رہا ہوں آپ میرے لیے دعا کریں اللہ مجھے عبدالغفور جیسی موت نصیب کر دے، میں خود بھی دن میں سینکڑوں مرتبہ ایمان پر خاتمے کی دعا کرتا ہوں، میں نے زندگی میں حج نہیں کیا، میں پندرہ سال عبدالغفور کی طرح بلاوے کا انتظار کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے بالآخر میری بھی سن لی، چنانچہ مجھے بھی عبدالغفور کی طرح زبردستی طلب کیا جا رہا ہے، میں جا رہا ہوں، مجھے یقین ہے اللہ مجھے عبدالغفور جیسی موت دے گا'' وہ رکے، خوشی کے آنسو پونچھے مجھے سینے سے لگایا اور اپنے بیڈروم میں چلے گئے، میں دیر تک ان کے ڈرائنگ روم میں حیران و پریشان بیٹھا رہا۔

وہ چند دن بعد حج پر تشریف لے گئے، حج کیا، مدینہ منورہ تشریف لے گئے، عشاء کی نماز کے لیے مسجد نبوی ﷺ گئے، سجدے میں گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا لیا، وہ جنت البقیع میں صحابہ کرامؓ کی قربت میں دفن ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں عبدالغفور کی موت نصیب کر دی۔

(**بشکریہ**: روزنامہ ایکسپریس)

# وقت کا ولی

(جہانزیب راضی)

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی کسی ولی اللہ کو دیکھا ہے؟سید مودودی نے جواب دیا، ہاں ابھی دو دن پہلے ہی لاہور اسٹیشن پر دیکھا ہے۔ہماری گاڑی جیسے ہی رکی تو قلیوں نے دھاوا بول دیا اور ہر کسی کا سامان اٹھانے اور اٹھا اٹھا کر بھاگنے لگے لیکن میں نے ایک قلی کو دیکھا کہ وہ اطمینان سے نماز میں مشغول ہے۔جب اس نے سلام پھیرا تو میں نے اسے سامان اٹھانے کو کہا اس نے سامان اٹھایا اور میری مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیا۔ میں نے اسے ایک روپیہ کرایہ ادا کر دیا، اس نے چار آنے اپنے پاس رکھے اور باقی مجھے واپس کر دیے۔میں نے اس سے عرض کی کہ ایک روپیہ پورا رکھ لو لیکن اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''نہیں صاحب میری مزدوری چار آنے ہی بنتی ہے۔''

آپ یقین کریں ہم سب ولی اللہ بننے اور اللہ کے ولیوں کو ڈھونڈنے میں در بدر ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں مشکل ترین ریاضتوں ،مشقتوں اور مراقبوں سے گزرنا پڑے گا۔ساری ساری رات نوافل میں گزارنی پڑے گی یا شاید گلے میں تسبیح ڈال کر میلے کچیلے کپڑے پہن کر اللہ ھو کی صدائیں لگانا پڑیں گی تب ہم ولی اللہ کے درجے پر پہنچ جائیں گے۔آپ کمال ملاحظہ کریں ہماری آدھی سے زیادہ قوم بھی اس کو ہی ''پہنچا'' ہوا سمجھتی ہے جو ابنارمل حرکتیں کرتا نظر آئے گا۔جو رومال میں سے کبوتر نکال دے یا عاشق کو آپ کے قدموں میں ڈال دے۔

اللہ کا دوست بننے کے لیے تو اپنی انا کو مارنا پڑتا ہے ۔قربانی ،ایثار اور انفاق کو اپنی ذات کا حصہ بنانا پڑتا ہے ۔اشفاق صاحب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنے ابا جی سے پوچھا کہ عشق مجازی اور عشق حقیقی میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے کچھ دیر سوچا اور کہنے لگے ''بیٹا! کسی ایک کے آگے اپنی انا کو مارنا عشق مجازی ہے اور ساری دنیا کے سامنے اپنی انا کو مارلینا عشق حقیقی ہے''

جنید بغدادی اپنے وقت کے نامی گرامی شاہی پہلوان تھے ۔انکے مقابلے میں ایک دفعہ انتہائی کمزور، نحیف اور لاغر شخص آ گیا ۔میدان تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا ۔بادشاہ اپنے پورے درباریوں کے ساتھ جنید بغدادی کا مقابلہ دیکھنے آ چکا تھا ۔مقابلہ شروع ہونے سے پہلے وہ کمزور آدمی جنید بغدادی کے قریب آیا اور کہا دیکھو جنید! کچھ دنوں بعد میری بیٹی کی شادی ہے میں انتہائی غریب اور مجبور ہوں اگر تم ہار گئے تو بادشاہ مجھے انعام و اکرام سے نوازے گا لیکن اگر ہار گیا تو اپنی بیٹی کی شادی کا بندوبست کرنا میرے لیے مشکل ہو جائے گا ۔مقابلہ ہوا اور جنید بغدادی ہار گئے ۔بادشاہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا ۔اس نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ مقابلہ کروایا اور تینوں دفعہ ہار جنید بغدادی کے حصے میں آئی ۔بادشاہ نے سخت غصے میں حکم دیا جنید کو میدان سے باہر جانے والے دروازے پر بٹھا دیا گیا اور تمام تماشائیوں کو حکم دیا گیا کہ جو جائے گا جنید پر تھوکتا ہوا جائے گا ۔جنید بغدادی کی انا خاک میں مل گئی لیکن ان کی ولایت کا فیصلہ قیامت تک کے لیے آسمانوں پر سنا دیا گیا ہے ۔

ولی تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کر دے ۔جو کسی کو جینے کی امنگ دے دے ۔چہرے پر خوشیاں بکھیر دے ۔جب کبھی بحث کا موقع آئے تو اپنی دلیل اور حجت روک کر سامنے والے کے دل کو ٹوٹنے سے بچا لے اس سے بڑا ابدال بھلا کون ہو گا؟ ۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا:

''معاذ تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو بغیر حساب کتاب کے تمہیں جنت میں داخل کروا دے؟ معاذ نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! مشقت کا کام ہے کرو گے؟ ضرور کروں گا یا رسول اللہ ﷺ، معاذ نے جواب دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: معاذ مسلسل کرنے کا کام ہے کرو گے؟ معاذ نے جواب دیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ''اے معاذ! اپنے دل کو ہر ایک کے لیے شیشے کی طرح صاف اور شفاف رکھنا، بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔

معروف کرخی نے فرمایا جس کا ظاہر اس کے باطن سے اچھا ہے وہ مکار ہے اور جس کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہے وہ ولی ہے۔ ولایت شخصیت نہیں کردار میں نظر آتی ہے۔ ابراہیم بن ادھمؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور چند دن رہنے کی اجازت مانگی آپ نے دے دی۔ وہ کچھ دن ساتھ رہا اور انتہائی مایوس انداز میں جانے لگا۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے پوچھا: کیا ہوا برخوردار! کیوں آئے تھے اور واپس کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا حضرت آپ کا بڑا چرچا سنا تھا۔ اس لیے آیا تھا کہ دیکھوں کہ آپ کے پاس کونسی کشف و کرامات ہیں۔ اتنا بول کر وہ نوجوان خاموش ہو گیا۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے پوچھا پھر کیا دیکھا؟ کہنے لگا میں تو سخت مایوس ہو گیا۔ میں نے تو کوئی کشف اور کرامت وقوع پذیر ہوتے نہیں دیکھی۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے پوچھا نوجوان! یہ بتاؤ اس دوران تم نے میرا کوئی عمل خلاف شریعت دیکھا؟ یا کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کے خلاف دیکھا ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا، نہیں ایسا تو واقعی کچھ نہیں دیکھا۔ ابراہیم بن ادھمؒ مسکرائے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے بیٹے! میرے پاس اس سے بڑا کشف اور اس سے بڑی کرامت کوئی اور نہیں۔

جو شخص فرائض کی پابندی کرتا ہو۔کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔لوگوں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کرتا ہو۔آپ مان لیں کہ اس سے بڑا ولی کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔اللہ کے ولی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ صاحب حال ہوتا ہے، نہ ماضی پر افسوس کرتا ہے اور نہ مستقبل سے خوفزدہ ہوتا ہے۔اپنے حال پر خوش اور شکر گزار رہتا ہے۔جو اپنے سارے غموں کو ایک غم یعنی آخرت کا غم بنا کر دنیا کے غموں سے آزاد ہو جائے وہی وقت کا ولی ہے۔

ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صبر کرنا اور معاف کرنا۔آپ یقین کریں تہجد پڑھنا، روزے رکھنا آسان ہے لیکن کسی کو معاف کرنا مشکل ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کا حسن یہ ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور ہمیشہ اچھی بات زبان سے نکالو۔جو صبر کرنا سیکھ لے، بھوکوں کو کھانا کھلائے، ہمیشہ اچھی بات اپنی زبان سے نکالے اور لوگوں کے لیے اپنے دل کو صاف کر لے اس سے بڑا ولی بھلا اور کون ہوسکتا ہے؟

یاد رکھیں! جو لوگوں سے شکوہ نہیں کرتا جس کی زندگی میں اطمینان ہے، وہی ولی ہے۔ جس کے دل کی دنیا میں آج جنت ہے وہی وہاں جنتی ہے اور جس کا دل ہر وقت شکوے، شکایتوں، حسد کینہ، بغض، لالچ اور ناشکری کی آگ سے سلگتا رہتا ہے وہاں بھی اس کا ٹھکانہ یہی ہے۔

☆......فرائض کی پابندی کیجیے!
☆......کبائر سے اجتناب کیجیے!
☆......حال پر خوش رہیے!
☆......لوگوں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کیجیے، اور وقت کے ولی بن جائیے!

# کافراورمومن کی جنت

(محمد نواز رومانی)

اللّٰہ

میرے بیٹو! کفاراورمومن دو رخ ہیں جوایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں ۔ دوانتہائیں ہیں۔کافرظلمت کی راہوں پرگامزن ہےاورمومن نورکی شاہراہوں کامسافر ہے۔کافر شیطان کاچیلہ،مریداور رہنموا ہےاورمومن اللہ وحدہ لاشریک کابندہ اوراسکےمحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کاغلام ہے۔کافراپنی خواہشات کا والہ شیدااورمومن اللہ تعالی اوراس کےرسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا جویاو طالب۔کافر کو دنیا مطلوب ہے۔اورمومن کوآخرت کی فکر ہے۔ دونوں کی سوچوں،خیالوں،جذبوں، رغوں اورمزاجوں میں بعدالمشر قین ہے۔کفارنے اپنی جنت دنیا میں خودتیارکی ہے۔جبکہ مومن کے لئے جنت اللہ تعالی نے تیار کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''دنیامومن کے لئےقیدخانہ اورکافر کے لئے جنت ہے۔'' (صحیح مسلم ج7ص46)

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ کافر عیسائی ہویا یہودی۔ ہندوہویادہریہ۔بدھ مت کاپیروکارہویا آتش پرست وہ دنیا کوسب کچھ سمجھتا ہے۔لہذاوہ اسے اپنی خواہشات،اپنی سوچوں اوراپنے جذبات کے مطابق اپنی دنیاوی زندگی کواپنے انداز سے جنت بنانے میں شبانہ روزمصروف وکوشاں رہتا ہے۔یورپ میں جوحیا سوزخرافات اور بے حیائیاں معاشرے کاحصہ بن چکی ہیں وہاں کوئی ان کوبرا خیال نہیں کرتا کیونکہ ان کےاندرلوگوں کیلئےسکون وراحت اورانبساط ونشاط کےمختلف پہلوتلاش کررکھے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک عفت وعصمت،شرم وحیاوغیرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔حسب ونسب کی پاکیزگی ان کی نظر میں بےمعنی ہے۔زنا،شراب نوشی،قمار بازی اورہم جنس پرستی وغیرہ ان کی معاشرتی قدریں ہیں۔ماں باپ کویہ حق اورجرأت نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کواپنے ہی بیڈروم یا گھرمیں کسی غیرمرد کے

ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ کر اسے روک سکیں۔شادی شدہ یا غیر شادی شدہ مرد وعورت کی باہمی رضامندی سے اختلاط کی کھلی چھٹی ہے۔جب لڑکی دس گیارہ سال کی ہو جاتی ہے تو اسے سکول کی طرف سے ''سند آزادی'' تحریری طور پر مل جاتی ہے۔کہ اب وہ آزاد ہے جو چاہے کرتی پھرے۔اور اگر اس کے ماں باپ بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بنیں تو وہ پولیس کی مدد حاصل کر سکتی ہے۔یہ کافر کی جنت ہے جو اس نے دنیا میں اپنے لئے بنا رکھی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مومن جس کے لئے دنیا قید خانہ کی مثل ہے وہ بھی اس کے نقش قدم پر چل کر اپنے لئے خود جنت تیار کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، شریعت اسلامیہ کی حدود و قیود اور اسلامی اقدار و اخلاق و کردار کی بقول اس کے تنگناؤں سے باہر نکل کر خود کو اس کے رنگ میں رنگ لے۔لہٰذا پاکستان میں بظاہر بعض خواندہ مگر حقیقت میں جاہل مسلمان اور مغرب زدہ مرد و خواتین اہل یورپ کی تقلید میں ہر قدغن سے آزادی چاہتے ہیں۔شرعی حدود کے خلاف احتجاجی ریلیاں نکالتے اور اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں۔

اس بیوقوف گمراہ ٹولے کو اتنا بھی شعور نہیں کہ کافر کی دنیا جسے جنت کہا گیا ہے حقیقت میں وہ دنیا و آخرت میں دونوں جگہ دوزخ ہے۔اور مومن جس کی دنیا کو قید خانہ سے تشبیہہ دی گئی ہے دراصل وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ جنت ہے۔کافر اور مومن کی جنت کی صورت گری کچھ اس طرح ہے۔

☆ کافر کی خود ساختہ جنت عارضی وقتی خوشی اور دائمی خسران کا باعث ہے۔

☆مومن کی جنت جو ربّ کریم نے آخرت میں تیار کر رکھی ہے اس میں ابدی سکون و اطمینان و راحت ہے۔

☆ کافر کی جنت میں بے حیائیاں، فحاشیاں اور مادر پدر آزاد ہے

☆مومن کی جنت مکارم اخلاق، اعلیٰ مثالی کردار، اخلاص، حسن سلوک، صلہ رحمی، ایثار و قربانی ،رافت و راحت، محبت و وفا اور گناہوں سے اجتناب سے مزین ہے۔

☆ کافر کی جنت میں خود پسندی، فخر وغرور، عجب وریا کاری، نفسانی خواہشات و من مانی ہے۔

☆مومن کی جنت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت میں ہے۔

☆ کافر کی جنت شیطان کے اتباع میں ہے۔

☆مومن کی جنت شیطان سے اللہ کی پناہ میں ہے۔

☆ کافر کی جنت میں اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔

☆مومن کی جنت میں نیک کاموں کا اجر دنیا میں ملنے کے علاوہ آخرت میں بھی جمع ہوتا رہتا ہے۔

☆ کافر کی جنت میں خود نمائی ہے۔

☆مومن کی جنت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں ہے۔

☆ کافر کی جنت میں شخصی آزادی وبے راہروی ہے۔

☆مومن کی جنت شرعی حدود وقیود میں ہے۔

☆ کافر کی جنت میں خود ستائی ہے۔

☆مومن کی جنت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش اور راضی کرنا ہے۔

☆ کافر کی جنت میں کامیابی کا سہرا اپنی محنت وعلم کے سر باندھا جاتا ہے۔

☆مومن کی جنت میں کامرانی کو اللہ کی عطا ورحمت سمجھا جاتا ہے۔

☆ کافر کی جنت میں ذاتی علمی تفاخر پر ناز وغرور کیا جاتا ہے۔

☆مومن کی جنت میں علم وحکمت کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں تلاش کیا جاتا ہے۔

☆ کافر کی جنت میں حرام کاریاں باعث راحت تصور کی جاتی ہیں۔

☆مومن کی جنت اللہ کی عبادت وذکر میں ہے۔

☆ کافر کی جنت میں ''میں'' کی حکمرانی ہوتی ہے۔

☆مومن کی جنت عجز وانکساری میں ہے۔

☆ کافر کی جنت میں اچھے کاموں کی داد دنیا والوں سے وصول کی جاتی ہے۔

☆مومن کی جنت میں اچھے کاموں کا انعام اللہ سے مانگا جاتا ہے۔
☆کافر کی جنت اللہ سے بے خوفی میں ہے۔
☆مومن کی جنت خشیت الٰہی میں ہے۔
☆کافر کی جنت عارضی ہے۔
☆مومن کی جنت دائمی ہے۔
☆کافر کی دنیاوی جنت آخرت میں جہنم میں بدل جائے گی۔
☆مومن کا دنیاوی قید خانہ آخرت میں موتیوں کے محلوں اور سدا بہار باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی بدل جائے گا۔

زندگی کی حیثیت بلبلہ آب سے زیادہ نہیں ہے۔ دنیا یہیں رہ جائے گی۔ مومن کیلئے اسے قید خانہ ہونا ہی بہتر ہے تاکہ حد کے اندر رہے اور جو بھی قدم اٹھائے پھونک پھونک کر رکھے اور جب قید دنیا سے آزاد ہو کر زندگی کی سرحد سے پار دار آخرت میں قدم رکھے تو جنت الفردوس کو اپنے لئے چشم براہ پائے۔

ماضی کے بعض ارباب علم و دانش نے حضرت انسان کی اصلاح احوال کیلئے ایسے بیانات دیے اور نگارشات تحریر کی ہیں جو آب زر کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور آخرت میں جنت بنانے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

☆دل کو زندہ رکھو نصیحت کے ساتھ
☆قلب منور کرو غور و فکر کے ساتھ
☆نفس کو مارو، زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ اور اسے قوی کر یقین کے ساتھ۔
☆موت کی یاد سے فنا کے یقین سے۔ زمانے کی مصیبتوں کو دکھا کر اسے خوفزدہ کرو۔ اور دن اور رات کے تعاقب اور تواتر سے اس کو بیدار رکھو۔
☆عبرت دلاؤ، گزشتہ لوگوں کے واقعات سے دل کو اور ماضی کے قصے سنا کر انہیں جگائے رکھو۔

کھنڈرات اور اجڑے ہوئے شہروں کے حالات سنا کر ان کوغوروفکر کرنے کا عادی بناؤ کہ بدکاروں اور گناہ گاروں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔

اس سے جنت کا راستہ اختیار کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔اور جنت بھی مل جاتی ہے۔

صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں دل بھی اندھے ہوتے ہیں۔اور سب سے بڑا اندھاپن دل کا اندھا ہونا ہے۔دل اگر اندھا ہوتو انسان نصیحت پکڑتا ہے نہ عبرت حاصل کرتا ہے۔اور نہ خیر وشر کی تمیز ہوتی ہے۔

اے گناہوں سے لذت حاصل کرنے والے لوگو!ایک دن تم نے بوڑھا ہونا اور اپنے برے انجام سے بھی دوچار ہونا ہے۔آج تمہارے کان پندونصائح کی آواز سننے سے قاصر ہیں لیکن کیا تم اپنے گردو پیش میں رونما ہونے والے سبق آموز واقعات سے عبرت بھی حاصل نہیں کر سکتے ہو۔مت بھولو کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی تمام تر رعنائیاں اور خوبصورتی ایک دن فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے۔خواب غفلت سے جاگو۔عنقریب تمہارے کوچ کا نقارہ بجنے والا ہے۔اس میں تمہاری پسند و ناپسند کو قطعاً دخل نہیں ہوگا اور جب تم اپنے ربّ کریم کے سامنے پیش کئے جاؤ گے تو اسے کیا جواب دو گے کہ تم اس کی عطا کردہ نعمتوں کو کس طرح بروئے کار لائے تھے۔کبھی اس پر بھی غور کیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ بزرگ خاموش ہو جاتا ہے ماحول پر، پر اسرار خاموشی محیط ہے۔سب خیالات کے گمنام جزیروں میں غلطاں و پیچاں ہیں۔شیطان کے پھیلائے ہوئے کالے کرتوتوں میں مگن، خباثتوں میں جکڑے ہوئے، بے حیائیوں کے قید خانے میں مقید اور گمراہیوں کے تیز رو بہتے دریاؤں میں غوطے کھاتے ماضی و حال کے لوگوں کے واقعات و حالات سے میری روح پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔وہ بزرگ اپنی جگہ سے اٹھ کر کب گھر کے اندر گیا کسی کو خبر نہیں ہوتی۔میں خیالات کے تانوں بانوں میں سخت الجھا ہوا ہوں اور اپنے ماضی و حال کے شب و روز کے تہہ خانوں میں اپنے گناہوں کو تلاش کرنے لگتا ہوں جہاں گھپ اندھیرا ہے۔میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

دیکھتا ہوں مگر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔اور پھر معاً میرے کانوں میں چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں جولحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جاتی ہیں۔یہ میرے گناہ ہیں جو چیخ چلا رہے ہیں۔اور پھر وہ مکروہ بھیانک شکلوں میں متشکل ہو کر میرے سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔انہیں دیکھ کر میں خوف ووحشت سے کانپنے لگتا ہوں۔عالم تصور میں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے گناہ بچھوؤں، کتوں، خنزیروں، سانپوں، گدھوں، چیلوں، کوؤں، بھیڑیوں، چمگادڑوں، طوطوں، ریچھوں، لومڑیوں، شکروں، عقابوں، مکھیوں، مچھروں اور چوہوں کی شکلوں میں مجھ سے چمٹے میرے تن بدن اور روح کو کھا رہے ہوں۔اور پھر ایکا ایکی میرے گھر کا ماحول میری نظروں میں گھوم جاتا ہے جو الٹراماڈرن ہونے کی وجہ سے تقریباً ہر پابندی سے آزاد ہے۔شرم وحیا کا وہاں گزر نہیں ہے۔اس خیال کے آتے ہی میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل جاتی ہے۔میں نظریں اٹھا کر اپنے گرد وپیش میں دیکھنے لگتا ہوں۔سب اپنی اپنی سوچوں میں گم ہوتے ہیں۔اور پھر میں کمرے سے باہر نکل جاتا ہوں۔لیکن میرے قدم منوں بوجھل ہیں۔گھر جانے کو دل نہیں چاہتا ہے لیکن میں نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی ہے جہاں برائیوں کو ہمیشہ اچھی شکل وصورت میں دیکھا جاتا ہے۔لیکن آج میرے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا ہے کہ برائی برائی اور گناہ گناہ ہے خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو۔انہیں خیالوں میں گم جب گھر پہنچتا ہوں تو میری بیوی، ماں اور بہن مجھے دیکھتے ہی یک زبان پوچھتی ہیں۔

''کیا ہوا۔طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں۔''

''آج تم بہت پریشان سے دکھائی دیتے ہو۔کیا بات ہے۔''

ماں دریافت کرتی ہے۔

''کوئی بات نہیں۔''

اتنے میں میری بیوی میرا ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے میں لے جاتی ہے اور بہ اصرار پوچھتی ہے۔مجھے

بتاؤ کیا ہوا ہے۔"

لیکن میں اسے کیا بتاتا کہ جب زندگی پر الٹرا ماڈرن ازم اور جدیدیت کا چڑھا ہوا ملمع اترنے لگتا ہے اور اندر سے حقیقت جھانکنے لگتی ہے تو پھر یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔لیکن وہ جس ماحول میں سانس لے رہی ہے اس کی سمجھ میں یہ بات اتنی جلدی آنے والی نہیں ہے۔وہ مسلسل میری پریشانی کی وجہ دریافت کرتی رہتی ہے کہ آج اتنے بدلے بدلے سے کیوں نظر آتے ہو۔لیکن میں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم اس کی طرف دیکھتا رہتا ہوں۔

دوسرے دن جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو گہرے بادل چھائے ہوتے ہیں۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا جارہا ہوں۔لوگ اس بزرگ کے قرب و معیت سے فیض یاب ہونے کے لئے وقت مقررہ سے قبل ہی آنے لگتے ہیں اور خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد کمرے کا درمیانی دروازہ کھلتا ہے اور وہ بزرگ جس کے چہرے پر نور برس رہا ہوتا ہے آکر اپنی نشست پر بیٹھ جاتا ہے۔حاضرین کی نظریں اس کے چہرے پر جم جاتی ہیں جہاں سکون، طمانیت اور کشش ہوتی ہے۔اس کے وجود میں علم وعرفان کا سمندر موجزن ہے۔جب وہ اپنے لبوں کو جنبش دیتا ہے تو معرفت الٰہیہ اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابدار موتی بکھرنے لگتے ہیں نت نئے علمی رموز واسرار و نکات آشکارا ہوتے ہیں۔اس کا انداز تخاطب بے حد نرم، دوستانہ، ناصحانہ اور عالمانہ ہوتا ہے۔اس کی بات کا ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے۔اس کی محفل میں بیٹھ کر انسان دنیاوی جھمیلوں سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹا ہوا ناطہ جڑتا ہوا سا محسوس ہوتا ہے۔وہ صرف بحر علوم اسلامیہ کا شناور ہی نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی علم کے علاوہ حالات حاضرہ پر بھی اس کی گہری نظر ہے۔

# فوری طور پر کرنے کے کام

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کے دینی و دنیوی استحکام، بقاء دوام اور قوت وشوکت کا اصل منبع اور سرچشمہ ایمان کامل، عمل صالح، رسوخ دینی، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوتِ حق، اصلاح خلق کی سرگرمیاں ہیں، امت محمدیہ کا یہ خاص امتیاز اور مقصد حیات ہے، جسے قرآن کی سورہ آل عمران 110 میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اسی مقصد کا ذکر مزید یوں ہوا ہے:

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں''۔ (آل عمران: 104)

''ہماری مخلوق میں ایک امت ایسی بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے عدل وانصاف سے کام لیتی ہے''۔ (الاعراف 181)

امتِ مسلمہ جب تک اپنے اس مقصد حیات کو انجام دیتی رہی اور اپنے امتیاز پر قائم ودائم رہی اس کے وجود کی برکات وثمرات سے عالم مستفید ہوتا رہا، لیکن پھر دینی غفلت اور بے حسی کے در آنے کی وجہ سے دعوتِ اسلام ونشر دین کا کام سست پڑ گیا، اسلام اور اس کی تعلیمات تو جوں کی توں باقی ہیں، وہ زندۂ جاوید اور فنا نا آشنا ہیں، مگر اہل اسلام کی عملی وفکری قوتوں اور احساسات وجذبات میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، اب مسئلہ کا حل صرف عملی قوتوں کی بیداری میں منحصر ہے، اشاعت دین کی راہ اسی وقت ہموار ہو گی جب اس کے لئے اخلاص سے کام شروع کیا جائے گا۔

اوراس کام کی تاثیر مکمل طور سے اسی وقت سامنے آسکے گی جب مساواتِ اسلامی کا تصورعام اورذات پات کا طبقاتی اختلاف ختم کردیا جائے گا،طبقاتی اونچ نیچ کا تصوردعوتی راہ کا سب سے بڑا مانع ہے، ماضی میں غلبہ واشاعت اسلام میں اسلام کے تصورمساوات کا بنیادی رول رہاہے،دوسری چیز ہے۔اخوت واتحاد، جب تک ہرکلمہ گودوسرے کلمہ گو کے لئے اپنے دل میں محبت کے جذبات نہیں رکھے گااور جب تک مسلم معاشرہ اخوت واتحاد کا نمونہ نہیں بنے گا غیروں میں دعوتی کام مئوثر نہ ہوسکے گا۔

تیسری چیز ہے لوگوں کی دینی واخلاقی اصلاح اور سدھار،کم سے کم مسلمانوں کی ظاہری زندگی اتنی پرکشش بنادی جائے کہ غیرمسلم اسلام سے وابستہ ہوں،نمازوں کا اہتمام، ارکان کی پابندی،شرکیہ امورورسوم،بدعات وخرافات،محرمات ومنہیات،اخلاقی جرائم،خیانت وبدعہدی،جھوٹ وغیرہ سے مکمل دوری وبیزاری کی فضاعام ہوگی توغیرمسلم اسلام کی طرف کشاں کشاں آئیں گےاوراسلام وحاملین اسلام کی عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگی۔

اس سلسلہ میں دینی وشرعی مسائل واحکام کی تلقین وتعلیم اوردعوتی وتبلیغی امور میں شرکت کی دعوت وترغیب بھی کافی مئوثر کرداراداکرسکتی ہے، جمعہ کے خطبات،خاص پروگراموں اور مجالس کے ذریعہ مضامین ومقالات،کتابچوں،رسائل اورپمفلٹ کی مددسے یہ کام ہوسکتا ہے۔

دوسری طرف یہ پیش نظر رہے کہ ہماری جہالت اورغربت اورسادہ لوحی وکوتاہ اندیشی بھی ہمارے زوال وضعف کے اہم اسباب ہیں تعلیم کوعام کرنے ،غربت کودورکرنے کی کوشش میں لگنے،اوردوراندیشی پیداکرنے کی سخت ضرورت ہے،اس کے لئے مکاتب ومدارس کا قیام، درسگاہوں کاانتظام،مشنری اسکولز کابائیکاٹ،تجارتی جدوجہد وغیرہ کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

# امرود پھل بھی دوا بھی

## (ہیلتھ کارنر)

(حافظ محمد یٰسین)

اللہ رب العزت نے انسان کے لیے عظیم انعامات پیدا فرما کر اس کی خدمت میں ڈال دیئے ہیں تا کہ یہ انسان انعامات ایزدی کو استعمال کر کے زبان شکر سے رب العالمین کو یاد کرے، امرود کے بارے میں کون نہیں جانتا، نمک مرچ لگا کر بڑے مزے سے کھایا جاتا ہے اور اس کی مہک اور خوش بو بھی دل کو فرحت دینے کا باعث بنتی ہے، امرودوں کی اعلیٰ قسم الٰہ آباد بھارت میں ہے جس کی نظیر نہیں لیکن قدرت نے پاکستان کو بھی اس اعلیٰ نعمت سے نوازا ہے۔ پاکستان میں لاڑکانہ اور کوہاٹ کے امرود بے مثال ہیں، بہتر امرود وہ ہے جو خوش بو دار ہلکا پیلا اور سفید اور نرم ہو لیکن فوائد کے لحاظ سے امرود کی اقسام میں سخت گلابی جس کے اندر ترشی ہو اور دوسری قسم سفید، زرد یا شیریں امرودوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، پہلی قسم کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں، اس قسم کے امرود زکام کا بہترین علاج ہوتے ہیں، جب مریض کا بلغم پک کر نہیں نکلتا گلے میں خراش اور پانی بہتا ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال بہت مفید ہے، یہ بلغم کو خارج کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے، ٹانسلز میں بھی امرود کے حیرت انگیز فائدے ہیں، جب گلے کے غدود متورم ہو جائیں اور نگلنے میں مشکل ہو تو ایسی صورت میں امرود کو راکھ یا بھوبھل میں دبا کر رکھیں، جب پک جائے تو صاف کر کے کاٹ کر نیم گرم کھائیں، اس سے گلے کی ورم کم ہو جاتی ہے اور بلغم پک کر نکلتا ہے،

اگر یہی ترکیب بچوں کی کھانسی کے لیے استعمال کرائی جائے تو بچوں کی کھانسی میں بہت زیادہ مفید ہے، اسہال میں بھی امرود کھانا مفید ہے، امرود کی چھال رات کو کوٹ کر بھگو دیں، صبح نہار منہ یہی پانی پی لیں اور غذا میں او جڑی کھائیں۔

دوسری قسم بھی ہمہ صفت کامل ہے، دائمی قبض میں سفید، یا شیریں امرود شافی علاج ہے، اس کے علاوہ معدے اور آنتوں کی خشکی میں حیرت انگیز طریقے سے اثر دکھاتا ہے، اور مزید یہ کہ اس خشکی کی وجہ سے دیگر اثرات بد بھی بتدریج ختم ہوتے ہیں، جب گرمی اور خشکی کی وجہ سے پیشاب کی نالیاں تنگ، متورم یا خشک ہو جاتی ہیں، ایسی صورت میں پیشاب کی تکلیف، پیشاب، قطرہ قطرہ آنا، رک جانا وغیرہ میں امرود بہترین دوا ہے، اس کے علاوہ بواسیر چاہے خونی یا بادی ہر دو کے لیے امرود مفید اور موثر ہے۔ اس سے قبض اور خشکی رفع ہو جاتی ہے، مزید یہ کہ تیزابیت کے لیے بہت مفید ہے۔ غذا کے نگلنے میں دشواری اور کینسر میں بھی امرود کو بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے، امرود کے پتے لے کر کوزے میں بند کر کے جلا لیں اور راکھ کر لیں پھر یہی راکھ باریک پیس کر محفوظ کر لیں، ہر قسم کی کھانسی کا لاجواب علاج ہے، اگر مسوڑھے متورم ہوں، خون بہتا ہو اور دانتوں میں درد ہو تو ایسی صورت میں اس کے پتوں کو پانی میں ابال کر پانی سے کلیاں کریں اور اگر اس کی راکھ دانتوں پر ملیں تو بھی بہتر ہے۔

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
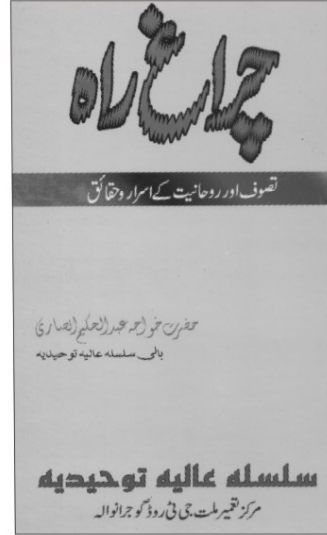
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
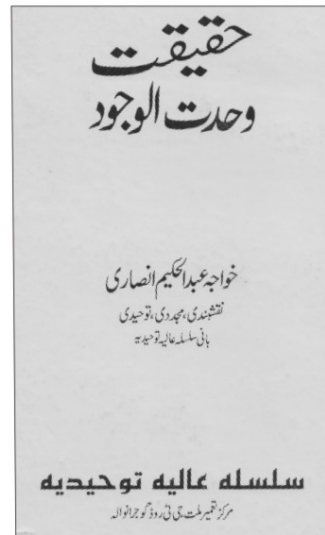
# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com